# طلوعِ اسلام

نومبر ۱۹۵۷ء

کنونشن نمبر

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ

# طلوعِ اسلام

کراچی

**بدل اشتراک**
ہندوستان اور پاکستان سے سالانہ:۔ آٹھ روپے
غیر ممالک سے:۔ ۱۴ شلنگ

**قیمت فی پرچہ**
ہندوستان اور پاکستان سے
بارہ آنے

**ٹیلی فون**:۔ ۴۱۴۸۸
خط و کتابت کا پتہ:۔ ناظم ادارہ طلوعِ اسلام
۱۵۹ - ایل / ۳ (پی۔ای۔سی ہاؤسنگ سوسائٹی) کراچی

جلد ۱۰ | نومبر ۱۹۵۷ء | نمبر ۱۱

## فہرست مضامین

| | | |
|---|---|---|
| جامِ زندگی سے چند قطرے | | ۲ |
| لمعات | | ۳—۴ |
| اصولی ہدایات برائے بزمہائے طلوعِ اسلام | (ناظم ادارہ طلوعِ اسلام) | ۵—۸ |
| جامِ زندگی | (محترم پرویز صاحب) | ۹—۳۲ |
| رپورٹ ادارہ طلوعِ اسلام | (ناظم ادارہ طلوعِ اسلام) | ۳۳—۳۶ |
| خطاب | (سیکرٹری بزمِ طلوعِ اسلام۔ راولپنڈی) | ۳۷—۳۹ |
| خطاب | (صدر مرکزی بزمِ طلوعِ اسلام۔ کراچی) | ۴۱—۴۲ |
| پاکستان میں قانون سازی کا اصول | (محترم پرویز صاحب) | ۴۳—۶۲ |
| قرآنی معاشرہ میں کیا ہوگا؟ | | ۶۳—۶۴ |
| مجلس اقبال | | ۶۷—۷۸ |
| اشتہارات | | ۷۹—۸۲ |

# خُمِ زندگی سے چند قطرے

اسلامی دستور کی رُو سے مملکت کی غرض و غایت بلکہ وجہ جواز (Justification for Existence) یہ ہوتی ہے کہ

(۱) وہ تمام افرادِ مملکت کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کے بہم پہنچانے کی پوری پوری ذمہ دار ہو۔ اور

(۲) وہ تمام ایسے اسباب و ذرائع فراہم کرے جن سے افرادِ معاشرہ کی مضمر انسانی صلاحیتیں پورے طور پر نشوونما پاتی رہیں۔ اور اس میں چھوٹے اور بڑے کی کوئی تمیز نہ ہو۔

(۳) اس میں انصاف بلاقیمت اور بلا رعایت ملے اور کوئی فیصلہ حدود اللہ سے نہ ٹکرائے۔ اگر کسی مملکت میں ایک شخص بھی رات کو بھوکا سو جائے (حضرت عمرؓ نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوک سے مر گیا تو عمرؓ سے اس کی بابت قیامت میں بازپُرس ہوگی) اگر اس میں ایک فرد بھی بغیر کپڑے کے رہ جائے اگر کوئی ایک خاندان بھی چھت سے محروم ہو۔ اگر کوئی ایک بچہ بھی صحیح تعلیم و تربیت کے بغیر رہ جائے۔ اگر کوئی ایک مریض بھی بلا علاج کے مر جائے اگر کسی غریب سے غریب انسان کی جان، مال، عزت، آبرو محفوظ نہ ہو (یاد رہے کہ میں غریب کا لفظ موجودہ معاشرتی حالات کے مطابق استعمال کر رہا ہوں ورنہ اسلامی مملکت میں کوئی غریب ہو نہیں سکتا) اگر لوگوں کو انصاف حدود اللہ کے مطابق اور بلاقیمت نہ ملے غرضیکہ جس مملکت میں کوئی فرزندِ آدم اپنے آپ کو کسی ضمن میں بھی کسی دوسرے کا محتاج پائے یا اپنے آپ کو تنہا محسوس کرے تو اس مملکت کو قطعاً حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے آپ کو اسلامی مملکت اور اپنے آئین و قوانین کو قرآنی قرار دے سکے۔

کس نباشد در جہاں محتاجِ کس
نکتۂ شرعِ مبیں این است و بس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# لمعات

طلوع اسلام کی پہلی کنونشن نومبر ۱۹۵۶ء میں لاہور میں ہوئی تھی۔ اور اس کی دوسری کنونشن ۱۷ تا ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۷ء راولپنڈی میں حال ہی میں منعقد ہوئی ہے۔ کنونشن میں بزمہائے طلوع اسلام کے مندوبین اور مبصرین بہ تعداد کثیر شریک ہوئے یہ اجتماع خاص نوعیت کا حامل ہوتا ہے۔ مغربی پاکستان کے دور دراز گوشوں سے قرآنی فکر کے حامی صرف ایک سودا سر میں لئے ہوئے آتے ہیں کہ قرآنی فکر کو زیادہ سے زیادہ افراد تک کس طریقے سے پہنچایا جائے۔ وہ سب قرآنی تعلیم کے گرویدہ۔ دل و جان سے اس پر عامل ہونے کے لئے کوشاں اور اسے دوسروں تک پہنچانے کے لئے بیتاب نظر آتے ہیں۔ سوٹ بوٹ والے کوٹ شلوار والے، کرتہ و تہبند والے شہری دیہاتی کوہستانی اور میدانی سب اس انوکھے مجمع میں شریک ہوتے ہیں۔ گران انسانی تنوعات کے باوجود ان کی زبان سے ایک ہی آواز نکلتی ہے اور وہ آواز قرآن کی آواز ہوتی ہے۔

کنونشن چار روز تک رہی۔ پہلی نشست میں باہمی تعارف ہوا جس میں کوئی تین گھنٹے لگے۔ تعارف نہایت دلچسپ تھا۔ دیہات سے آئے ہوئے مندوبین اپنی اپنی زبان میں جب تعارف کراتے تھے تو نظر آتا تھا کہ ان میں کیسے کیسے شاندار جوہر مضمر ہیں۔ یہ نشست حد درجہ خوش آئند اور تحریک قرآنی کے لئے حوصلہ افزا تھی۔ شرکائے کنونشن کے اسماء گرامی آئندہ اشاعت میں شائع کئے جائیں گے۔

دوسری نشست میں بزم راولپنڈی کا خطاب۔ ادارۂ طلوع اسلام اور مرکزی بزم کراچی کی رپورٹ اور محترم پرویز صاحب کا خطاب پڑھا گیا۔ یہ جملہ خطابات حالیہ اشاعت میں شامل کئے جا رہے ہیں۔

تیسری نشست میں بزمہائے طلوع اسلام کے نظم و ضبط کے لئے اصولی ہدایات طے پائیں۔ یہ بھی حالیہ اشاعت میں شامل کی جا رہی ہیں۔

کنونشن کی مکمل روئیداد انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں پیش کی جائے گی۔ اسے اس اشاعت میں شامل کیا جاتا تو پرچہ میں بہت زیادہ تاخیر کا احتمال تھا۔

طلوع اسلام کی قرآنی تحریک کی ابتداء پچیس تیس سال قبل ہوئی تھی۔ لیکن عوام نے اسے اپنانا حال ہی میں شروع کیا ہے۔ تحریک کی خصوصیات اور اس کے پھیلانے کا طریق کار رفتہ رفتہ سمجھ میں آرہا ہے۔ قرآنی فکر سے ذہنی طور پر آشنا ہونے کے بعد حاملین فکر قرآنی عملی اقدامات کے لئے بے تاب تھے۔ اور ان عملی اقدامات میں نشر و اشاعت کے کام کو شامل تصور کرنے میں متامل نظر آتے تھے۔ لیکن حالیہ کنونشن نے یہ وضاحت جتادیا کہ قرآنی فکر ذہنی انقلاب کے بغیر ناممکن ہے، اور ذہنی انقلاب لانے کے لئے نشر و اشاعت ہی موثر ذریعہ ہے۔

# ضروری اعلان

طلوع اسلام کی اس اشاعت میں محترم پرویز صاحب کی دو اہم تقریریں شامل ہیں۔ ان میں سے پہلی تقریر

## تخمِ زندگی

ہے جو محترم پرویز صاحب نے طلوع اسلام کنونشن راولپنڈی (منعقدہ ۱۸-۱۹-۲۰ اکتوبر ۱۹۵۷ء) میں ارشاد فرمائی۔ اور دوسری تقریر

## پاکستان میں قانون سازی کا اصول

ہے جو موصوف نے بزم اقبال لاہور کے زیر اہتمام جلسہ میں مورخہ ۲۶ اکتوبر کو ارشاد فرمائی۔

یہ دونوں تقریریں الگ الگ پمفلٹ کی صورت میں بھی شائع کی جا رہی ہیں۔ شائقین حضرات اپنی اپنی ضرورت کے مطابق مطلوبہ کاپیاں فوراً منگالیں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ کراچی

باسمہ تعالیٰ

# اصولی ہدایات برائے نظم و ضبط بزمہائے طلوعِ اسلام

طلوعِ اسلام کی دوسری کنونشن (منعقدہ راولپنڈی) میں تمام ابتدائی بزموں کے نمائندگان کا ایک اجلاس ۱۸؍ اکتوبر ۱۹۵۷ء (جمعہ بعد دوپہر) منعقد ہوا جس میں باہمی مشاورت سے حسبِ ذیل اصولی ہدایات طے پائیں۔ انہیں تمام بزموں کی اطلاع کے لئے طلوعِ اسلام میں شائع کیا جاتا ہے۔

(۲) فارم رکنیت ادارہ کی طرف سے الگ چھپوائے جا رہے ہیں۔ تمام ابتدائی بزموں سے درخواست ہے کہ وہ تمام ان احباب کو جو طلوعِ اسلام کے قرآنی فکر و مسلک سے اتفاق رکھتے ہوں، ان اصولی ہدایات سے مطلع کر دیں۔ ان میں سے جو احباب بزم کا رکن بننا چاہیں ان سے فارم رکنیت پُر کرا کر اپنی بزم میں رکھ لیں اور اس کے بعد ادارہ طلوعِ اسلام کو فہرست ارکان (مع نام نمائندہ) ارسال فرما دیں۔ ادارہ سے منظوری حاصل ہونے پر وہ بزم مسلّمہ تصور کی جائے گی۔

(۳) اضلاع کے ترجمان حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اپنی ضلع کی بزموں کی فہرست سے ادارہ کو مطلع فرمائیں۔

---

اصولی ہدایات حسبِ ذیل ہیں:-

(۱) بزمِ طلوعِ اسلام نہ کوئی سیاسی پارٹی ہے۔ نہ مذہبی فرقہ۔ یہ ایک اجتماعی اور تنظیمی کوشش ہے اُس قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے جسے ادارۂ طلوعِ اسلام کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ اسلام میں جو غیر قرآنی تصورات شامل ہو گئے ہیں، انہیں الگ کر کے اس نظام کی تشکیل کے لئے فضا سازگار بنائی جائے جو عہدِ محمد رسول اللہ والذین معہٗ میں قائم ہوا تھا۔

(۲) ہر وہ مسلمان جو ادارۂ طلوع اسلام کی طرف سے پیش کردہ قرآنی فکر سے متفق ہو، اور ان ہدایات کو تسلیم کرے بزم متعلقہ کی منظوری سے اس کا ممبر بن سکتا ہے۔ (اس مقصد کے لئے اسے فارم رکنیت پُر کرنا ہوگا)

(۳) ارکانِ بزم کے لئے اسلامی شعار کا احترام اور اسلامی ارکان کی پابندی ضروری ہوگی۔ ان کی ادائیگی کے لئے جو طریقے امت میں متوارث چلے آرہے ہیں۔ ان میں کسی قسم کے رد و بدل کا کسی کو حق نہیں ہوگا۔ جو اعمال و عقائد قرآن کے خلاف ہیں ان سے اجتناب ضروری ہوگا۔

(۴) ہر ممبر کے لئے لازمی ہوگا کہ وہ اپنی سیرت و کردار کے لئے سیرتِ نبی اکرمؐ کو بطور نمونہ اپنے سامنے رکھے اور یُؤثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَۃٌ کے قرآنی اصول کے مطابق خدمتِ خلق کے کاموں میں بلا مزد و معاوضہ بیش از بیش حصہ لے۔

(۵) کوئی رکن یا بزم کوئی ایسی بات نہیں کریگی جس میں فرقہ سازی یا پارٹی بازی کا شائبہ تک بھی پایا جائے یا جس سے طلوع اسلام کے مقصد و مسلک کے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی پیدا ہو۔ ایسی صورت میں ادارہ کو حق حاصل ہوگا کہ وہ رکن کو رکنیت سے خارج کردے اور اس بزم کی منظوری کو واپس لے لے۔

(۶) اگر کسی رکن کو ادارے کے کسی فیصلے سے اختلاف ہو تو اس کے متعلق ادارہ سے مزید وضاحت کرا سکتا ہے۔ لیکن بزم کا ممبر رہتے ہوئے وہ اس کی مخالفت نہیں کرسکتا۔ اس اصول کا اطلاق ارکان کی طرح بزموں پر بھی ہوگا۔

(۷) ہر ممبر بطیبِ خاطر اپنے لئے ماہوار چندہ کی شرح خود مقرر کریگا۔ لیکن جو شرح مقرر کی جائے وہ بزم کی منظوری کے بغیر اس میں ایک سال سے پہلے کمی نہیں کی جائے گی۔

(۸) ہر گاؤں، قصبہ اور شہر میں ایک ایک بزم قائم کی جاسکتی ہے۔ (بزم خواتین اس سے الگ ہوگی) ان بزموں کو ابتدائی بزمیں کہا جائے گا۔

جس مقام پر بزم قائم کرنے کا ارادہ ہو، وہاں کے احباب اپنے اس ارادے سے ادارہ طلوع اسلام کو مطلع کریں گے تاکہ ادارہ کی طرف سے انھیں ضروری ہدایات دی جاسکیں۔ ادارہ کی منظوری کے بغیر کوئی بزم مسلمہ نہیں سمجھی جائے گی۔

(۹) ہر بزم اپنے اراکین میں سے ایک صاحب کو اپنا نمائندہ منتخب کرے گی۔ یہ نمائندہ عند الضرورت اپنی معاونت کے لئے اراکین میں سے جسے مناسب سمجھے کوئی کام سپرد کرسکتا ہے۔ لیکن ذمہ داری پوری نمائندہ ہی کی ہوگی۔

(۱۰) ضلع کی ابتدائی بزموں کے نمائندے، ضلع بزم کے اراکین متصور ہوں گے۔ یہ اراکین اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا ترجمان منتخب کریں گے۔ یہ ترجمان اپنی معاونت کے لئے ضلع یا کسی ابتدائی بزم کے جن اراکین کو مناسب سمجھے ضروری امور سونپ سکتا ہے۔ ان امور کے لئے مسئول بہرحال ترجمان ہی ہوگا۔ جو صاحب ترجمان منتخب ہوں گے وہ ابتدائی بزم کے نمائندہ نہیں رہیں گے۔

(۱۱) جب تک ادارہ کراچی میں رہے گا، کراچی کی بزم براہِ راست ادارہ سے متعلق رہے گی۔

(۱۲) ابتدائی بزم اور ضلع کی بزم اس امر کا فیصلہ کرے گی کہ

(۱) کن امور کے فیصلے نمائندہ / ترجمان خود کر سکتا ہے اور کن امور میں بزم کے فیصلوں کی ضرورت ہوگی۔

(۲) بزم کے اجلاس کتنے وقفے کے بعد ہوا کریں گے اور ان کے لئے کورم کیا ہوگا؟

(۱۳) ضلع بزم کے ترجمان اپنا تعلق ناظم ادارہ طلوع اسلام سے رکھیں گے۔ اور ادارہ کی طرف سے نافذ شدہ ہدایات پر خود بھی عمل پیرا ہوں گے اور انہیں ابتدائی بزموں کی طرف بھی منتقل کریں گے۔ اسی طرح ابتدائی بزمیں ضلع بزم کے ترجمان کی وساطت سے ادارہ کے ساتھ متعلق رہیں گی۔

(۱۴) بزموں کے نمائندگان اور ترجمان اپنی اپنی بزم کے صحیح نظم و نسق اور مالی امور کے پورے پورے ذمہ دار ہوں گے۔

(۱۵) ابتدائی بزموں کے نمائندگان، بزم کی کارروائی کی ماہانہ رپورٹ اور آمد و خرچ کا گوشوارہ، اپنے اپنے ترجمان کو بھیجیں گے۔ ترجمان پورے ضلع کی رپورٹ اور مجموعی گوشوارہ آمد و خرچ ہر ماہ ادارہ کو بھیجیں گے۔ ادارہ ان رپورٹوں کا ملخص اور مجموعی گوشوارہ کنونشن میں پیش کرے گا۔

اگر بزموں کے پاس فاضلہ روپیہ ہوگا تو کنونشن میں فیصلہ کیا جائے گا کہ اسے کس مصرف میں لایا جائے۔

(۱۶) ابتدائی بزموں کے نمائندے اپنے اپنے ضلع کے ترجمان کے مشورے سے اس بات کا فیصلہ کریں گے کہ ابتدائی بزم اپنی آمدنی کا کس قدر حصہ ضلع بزم کے اخراجات کے لئے ادا کرے گی۔ اور ضلع بزم کے ترجمان، ادارہ کے مشورے سے اس کا فیصلہ کریں گے کہ وہ اس میں سے کس قدر حصہ ادارہ طلوع اسلام کو ادا کریں گے۔ ادارہ اس روپے کو صرف بزموں کے کام کے سلسلہ میں خرچ کرے گا اور اس کا حساب کنونشن میں پیش کرے گا۔

(۱۷) چونکہ تنظیم اپنے ابتدائی دور سے گذر رہی ہے۔ اس لئے تمام انتخابات جن کا ذکر اوپر کی شقوں میں آچکا ہے سردست ہر سال ہوا کریں گے۔ ابتدائی بزموں کے انتخابات کنونشن سے قبل اور ضلع بزموں کے خود کنونشن میں۔ اس کے لئے مناسب اقدامات نمائندہ / ترجمان کے ذمہ ہوں گے۔ اگر اس میں کسی وجہ سے تاخیر کا اندیشہ ہو تو ابتدائی بزم کو اس کی منظوری (قبل از وقت) ضلع بزم سے اور ضلع بزم کو ادارہ سے لینی ہوگی۔

(۱۸) متنازعہ فیہ امور میں ادارے کے فیصلے آخری سمجھے جائیں گے۔

(۱۹) ان ہدایات پر عملی تجربہ کی روشنی میں اگر کسی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت ہوگی تو اس کی بابت ادارہ کی طرف سے مزید ہدایات نافذ ہوتی رہیں گی۔

(۳) ہر معاملہ میں اس بنیادی حقیقت کو سامنے رکھنا ہوگا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں خالصۃً لوجہ اللہ کر رہے ہیں اور اپنے ہر فیصلہ اور ہر عمل کے لئے ہمیں خدا کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ وبیدہ التوفیق۔

(۲) جو احباب ان ہدایات سے متفق ہوں وہ فارم رکنیت پُر کر کے اپنی اپنی بزم کو دیدیں۔ اور یہ بزمیں اپنی اپنی منظوری ادارہ سے حاصل کریں۔ فارم رکنیت کے بغیر کوئی صاحب بزم کے رکن اور ادارہ کی منظوری کے بغیر کوئی بزم مسلّمہ متصور نہیں ہوگی۔ مسلّمہ بزموں کے نام مجلہ طلوع اسلام میں شائع ہوں گے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ کراچی

---

# فارم رکنیت

میں ........................ خلف الرشید ........................

پتہ ................................................

(۱) طلوع اسلام کی طرف سے پیش کردہ قرآنی فکر و نظام سے متفق ہوں۔

(۲) میں نے ادارہ طلوع اسلام کی طرف سے شائع کردہ اصولی ہدایات بابت نظم و ضبط بزمہائے طلوع اسلام کا مطالعہ کر لیا ہے۔ ان کے مطابق میں بزم کا رکن بننا چاہتا ہوں۔

(۳) میں ............ ماہوار چندہ ادا کیا کروں گا۔

(دستخط) ........................

تاریخ ........................

فیصلہ بزم

باسمہٖ تعالیٰ

بصدائے دردمندے۔ بنوائے دلپذیرے

# خُمِ زندگی

کُشادم بہ جہانِ تشنہ میرے

محترم پرویز صاحب کی تقریر جس سے اُنھوں نے طلوع اسلام کنونشن راولپنڈی

(منعقدہ ۱۸۔۱۹۔۲۰؍ اکتوبر ۱۹۷۳ء) سے خطاب کیا

شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# پیام بہ یارانِ طریق

غزل سراو نواہائے رفتہ باز آور ‏ ‏ ‏ ‏ بایں فسردہ دلاں حرفِ دلنواز آور
کنشت و کعبہ و بُت خانہ و کلیسا را ‏ ‏ ‏ ‏ ہزار فتنہ ازاں چشمِ نیم باز آور

برادرانِ عزیز! السّلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

آپ میں سے جو احباب سال گزشتہ کی کنونشن میں شریک ہوئے تھے، انھیں وہ سماں اب تک یاد ہو گا جب آخری دن، تمام افرادِ کارواں، ایک دوسرے سے گلے مل کر رخصت ہو رہے تھے۔ اُس وقت کیفیت یہ تھی کہ فضا میں ہر طرف خلوص و محبت کی شمعیں فروزاں۔ ذہن، گذشتہ تین دن کی شبانہ روز محفلوں کی کیفیت آور یاد سے فردوس بداماں۔ سینوں میں پاکیزہ جذبات کا تلاطم۔ قلوب میں حسین تمناؤں کا ہجوم۔ آنکھوں میں چمکتے ہوئے آنسو اور لبوں پر سوز و گداز میں ڈوبا ہوا یہ الوداعی پیغام

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد
ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

للہ الحمد کہ ایک سال کے انتظار کے بعد تمکدۂ قرآن کے یہ پیمانہ بردار، اس عزم کے ساتھ پھر باعثِ گرمیٔ محفل اور وجۂ نشاطِ انجمن ہوئے ہیں کہ

بیا تا کارِ ایں اُمت بسازیم　　قمارِ زندگی مردانہ بازیم
چناں نالیم اندر مسجدِ شہر　　کہ دل در سینۂ مُلّا گدازیم

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (۱۰/۵۸) میں اپنی طرف سے اور آپ تمام احباب کی طرف سے بزمِ طلوعِ اسلام راولپنڈی کے باہمت اور پُراخلاص کارکنوں کا سپاس گزار ہوں کہ اُنہوں نے اس اجتماع کے انتظامات کو اپنے ذمہ لیکر، اس کاروانِ راہِ محبت و عزیمت کی دوسری منزل کو بھی پہلی منزل کی طرح، آسان اور پُرآسائش بنادیا۔

## احتسابِ خویش

برادرانِ گرامی قدر! اس قسم کے اجتماعات درحقیقت جماعتوں کی زندگی میں یومِ الحساب یعنی احتسابِ خویش کا دن، ہوتے ہیں جس میں اس امر کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ ہم نے پچھلے اجتماع میں جس پروگرام کو اپنے سامنے رکھا تھا اُسے کس حد تک پورا کیا ہے اور اب اس کے بعد ہمارا اگلا قدم کیا ہونا چاہیئے۔ یاد رکھئے! جو راہ رو کسی مقام پر رُک کر یہ نہیں دیکھ لیتا کہ اس کا قدم صحیح راستے پر اُٹھ رہا ہے یا نہیں، اُسے منزلِ مقصود تک پہنچنے کا کبھی یقین نہیں ہوسکتا۔ جو کاروباری وقتاً فوقتاً اپنی متاع و بضاعت کا جائزہ نہیں لیتا اور نفع و نقصان کا اندازہ نہیں لگاتا، وہ کبھی حتم و یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ اس کی تمام تگ و تاز اور سعی و کاوش اسے کس سمت لیجارہی ہے۔ ان دو تین دنوں میں آپ کو بھی یہی کچھ کرنا ہوگا۔ لیکن جیسا کہ میں نے پچھلے سال بھی عرض کیا تھا جو جماعت قرآنی نظامِ ربوبیت کی تشکیل کا عزم لے کر اٹھتی اور اپنے اللہ سے بیع و شریٰ کا معاملہ کرتی ہے۔ اس کے نفع او نقصان کے ماپنے کے پیمانے اور اندازے دوسری جماعتوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ عام جماعتوں کو صرف یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ انھوں نے کتنے ممبر بھرتی کئے۔ کس قدر روپیہ فراہم کیا۔ کتنے جلسے کئے۔ کتنے جلوس نکالے۔ مخالفین کو دبانے کے لئے کون کونسے حربے استعمال کئے اور اس طرح انتخابات میں کتنی نشستیں حاصل کیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن قرآنی نظام کی داعی جماعت کے افراد کو دیکھنا یہ ہوگا کہ اُنھوں نے اپنے اندر کس قدر تبدیلی پیدا کی ہے ان کا قلب و دماغ کس حد تک قرآنی تصورات سے ہم آہنگ ہوچکا ہے۔ ان کی سیرت و کردار کہاں تک قرآنی قالب میں ڈھل چکے ہیں۔

## داخلی انقلاب

ان کی آرزوؤں اور ارادوں کے محرکات کس حد تک قرآنی مقاصد ہیں۔ وہ اپنی ذات، اپنے اعزہ و اقارب اور دوسرے انسانوں کے ساتھ معاملات میں قوانینِ خداوندی کی کس قدر نگہداشت کرتے ہیں۔ اگر ہمارے اندر اس قسم کی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تو پھر آپ نے دوسرے معیاروں کے مطابق کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرلی ہو، قرآن کی میزان میں اس کا کوئی وزن نہیں۔ لیکن اگر ہمارے کردار اور تصورات میں یہ انقلاب پیدا ہوچکا ہے تو یہ کامیابی بڑی کامیابی

ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اپنے مقصد کے حصول کے لئے خارجی اسباب و ذرائع اور طریق و رفیق سے بے نیاز ہیں اور ان کی طرف توجہ دینے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ قرآن، اس سازو براق کی تا بحد استطاعت فراہمی کی تاکید کرتا ہے۔ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ ...... (۸/۶۰)۔ اس لئے حصولِ مقصد کے لئے اسباب و ذرائع کا ہونا بھی ضروری ہے۔ جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر ہم میں وہ داخلی تبدیلی پیدا ہو جائے جس کی طرف میں نے ابھی ابھی اشارہ کیا ہے تو خارجی اسباب و ذرائع کی کسی حد تک کمی کے باوجود ہم کامیاب و کامران کہلائیں گے۔ اور خدا کا کائناتی قانون ہماری مدافعت میں کھڑا ہو کر معترضین اور مخالفین سے کہہ دے گا کہ

بچشمِ کم منگر عاشقانِ صادق را
کہ ایں شکستہ بہایاں متاعِ قافلہ اند

لیکن اگر ہم اس داخلی انقلاب کے بغیر صرف خارجی سہاروں کے زور پر آگے بڑھنا چاہیں گے تو وہی قانون ہمیں یہ کہہ کر دھتکار دے گا کہ

| | |
|---|---|
| بہ جہانِ دردمنداں تو بگو چہ کار داری | تب و تابِ باشتا سی؟ دلِ بے قرار داری |
| چہ خبر ترا ز اشکے کہ فرو چکد ز چشمے | تو بہ برگِ گل ز شبنم دُرِ شاہوار داری |

اور یہ ظاہر ہے کہ جو اس بارگاہ سے دھتکارے جائیں، انہیں کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔

مَا لَهُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ (۹/۷۴)

مجھ سے اکثر کہا جاتا ہے کہ قرآنی فکر اور نظام کے متعلق بات تو ہم سمجھ گئے ہیں لیکن اس کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ

## داخلی انقلاب پیدا کیسے ہو؟

داخلی تبدیلی پیدا کس طرح سے ہوتی ہے؟ ایک لفظ میں اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ پیدا ہوتی ہے ایمان سے۔ لیکن تجربہ نے بتایا ہے کہ فقط اتنا کہہ دینے سے بات سمجھ میں نہیں آتی۔ مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ گتھی سلجھتی نہیں۔ اس لئے کہ ہم میں سے ہر شخص اس کا مدعی ہے (اور وہ پوری دیانتداری سے ایسا سمجھتا ہے) کہ وہ صاحبِ ایمان ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کے اندر یہ تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے صحیح طور پر سمجھا ہی نہیں کہ ایمان کہتے کسے ہیں؟ اگر اسے سمجھ لیا جائے تو ہو نہیں سکتا کہ ایمان پیدا ہو اور داخلی تبدیلی پیدا نہ ہو۔ یا یہ تبدیلی پیدا نہ ہو اور اس کے باوجود ہم اپنے آپ کو اطمینان دے لیں کہ ہم صاحبِ ایمان ہیں۔ اسے ایک مثال سے سمجھئے۔ فرض کیجئے آپ کو دو تین دن کا فاقہ ہے آپ بھوک سے نڈھال ہو رہے ہیں۔ اتنے میں ایک شخص آپ کے سامنے گرم گرم پلاؤ کا قاب لا کر رکھ دیتا ہے اس کی خوشبو سے آپ کی جان میں جان آجاتی ہے۔ آپ اس کی طرف لپکتے ہیں۔ نہایت بے تابی سے نوالہ اٹھاتے ہیں۔ آپ کا ہاتھ منہ کے قریب جاتا ہے کہ اتنے میں وہ شخص کہہ دیتا ہے کہ اس پلاؤ میں ویسے تو ہر چیز خالص اور نہایت عمدہ ہے لیکن باورچی نے غلطی سے اس میں نمک کی جگہ سنکھیا ڈال دیا ہے۔ آپ

کہیئے کہ یہ سُن کر آپ اُس لقمہ کو مُنہ میں ڈالیں گے یا زمین پر پھینک دیں گے؟ ظاہر ہے کہ آپ بھوک سے لاکھ بیتاب ہوں، اس قاب میں سے ایک دانہ بھی چکھنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ آپ کی طبیعت اس سے کیوں ابا کرتی ہے؟ ابھی آپ اس کی طرف لپک رہے تھے۔ پھر آپ کے اندر یکایک یہ تبدیلی کیسے پیدا ہو گئی کہ آپ اس سے یوں بھاگنے لگے؟ محض اس لئے کہ آپ کو اس کا یقین ہے کہ اس سے آپ کی موت واقع ہو جائے گی۔ اسے، برادران! ایمان کہتے ہیں۔

## ایمان کسے کہتے ہیں؟

اب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اگر یہ کہنے کے بجائے کہ اس پلاؤ میں سنکھیا پڑا ہے یہ کہہ دیا جاتا کہ وہ مالِ حرام سے تیار ہوا ہے، تو کیا اُس وقت بھی ہماری طبیعت کا ردِ عمل ایسا ہی ہوتا؟ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ اس پر تو ہمارا ایمان ہے کہ سنکھیا ہلاک ہوتا ہے۔ لیکن اس پر ہمارا ایمان نہیں کہ مالِ حرام بھی ہلاک ہوتا ہے۔ اگر اس پر بھی ہمارا ویسا ہی یقین ہوتا جیسا کہ سنکھیا کے متعلق ہے تو ہو نہیں سکتا تھا کہ اس کے خلاف ہمارا وہ ردِ عمل نہ ہوتا جو سنکھیا کے خلاف ہوا تھا۔ اس مثال کو سامنے رکھئے اور پھر سوچئے برادران! کہ کیا قرآنی اقدار پر ہمارا ایمان ایسا ہے کہ ہمیں یقین ہو کہ ان کی خلاف ورزی سے ہماری انسانیت کی اُسی طرح موت واقع ہو جائے گی جس طرح ہمیں اس پر یقین ہے کہ سنکھیا کھانے سے ہماری طبعی موت واقع ہو جائے گی؟ اگر ان اقدار کے متعلق ہمارا اس قسم کا ایمان نہیں تو پھر ہم میں وہ داخلی تبدیلی کیسے پیدا ہو سکتی ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے؟ اور اگر ان پر ایمان ہے تو پھر ہو نہیں سکتا کہ اس کے بعد ہمارے اندر یہ انقلاب پیدا نہ ہو جائے۔

## ایمان کیسے پیدا ہو؟

اس پر یہ پوچھا جاتا ہے کہ قرآنی اقدار کے متعلق اس قسم کا ایمان کیسے پیدا ہو؟ اس کے لئے پہلے یہ سمجھئے کہ سنکھیا کے متعلق اس قسم کا ایمان کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ اس کی حسبِ ذیل شکلیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) ہم نے سنکھیا کھانے والے کو خود مرتے دیکھا ہو۔

(۲) یا ہم خود ایک ڈاکٹر یا سائنٹسٹ کی طرح لیبارٹری میں سنکھیا کا تجزیہ کر کے علمی طور پر اس نتیجہ پر پہنچ جائیں یہ واقعی قاطعِ حیات ہے۔

(۳) اور اگر ہم خود اتنی مشقت نہیں اٹھانا چاہتے تو کسی ایسے محقق سے سمجھ لیں جس نے اس قسم کا تجزیہ کیا ہو۔

(۴) اور اگر اتنا بھی نہیں ہو سکتا تو پھر اُس کی بات پر ویسے ہی یقین کر لیں جیسے ہم طب کی کتابوں میں یہ پڑھ کر کہ فلاں چیز مُضر ہے، اس کے مُضر ہونے پر یقین کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد تجربہ ہمیں خود بتا دے گا کہ کہنے والے نے سچ کہا تھا یا نہیں۔

اس نتیجہ تک پہنچنے کے لئے کہ سنکھیا قاطعِ زندگی ہے یہی طریقے ممکن ہو سکتے ہیں۔ اب آپ طبعی زندگی سے انسانی ذات کی طرف آئیے۔

یہ ظاہر ہے کہ انسانیت (یا انسانی ذات) کی ہلاکت جسمانی موت کی طرح محسوس شکل میں ہمارے سامنے نہیں آسکتی۔ اس لئے اس کے متعلق آنکھوں سے دیکھ کر یقین حاصل کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

دوسری صورت خود تحقیق کرنے کی ہے۔ سو ہم میں سے کتنے ہیں جو اس کوہ کنی کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دینے کے لئے آمادہ ہو سکتے ہیں؟

تیسری شکل یہ ہے کہ ہم کسی سمجھے ہوئے سے سمجھ کر اپنا اطمینان کر لیں۔ اسے افہام و تفہیم کا طریق یا فکری انداز کہا جاتا ہے۔ یقین اور ایمان پیدا کرنے کا یہ فکری طریق وہ ہے جس کی قرآن میں اس قدر تاکید آئی ہے۔ اس موضوع پر طلوع اسلام اور میری تصانیف میں اتنا کچھ آپ کے سامنے آچکا ہے کہ میرے خیال میں اس وقت اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ اس طریق کار سے نہ کسی کی عقل و فکر کو ماؤف کر کے حقیقت کو منوایا جاتا ہے اور نہ ہی جور و استبداد سے اُسے اس کے ماننے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (۲۵۶/۲) کے یہی معنی ہیں۔ یہی ہے برادران! وہ طریق عمل جس سے آپ کے دل میں بھی ایمان پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ ایمان کوئی ایسی

## ایمان خود پیدا کیا جاتا ہے

چیز نہیں جسے کوئی دوسرا شخص آپ کے دل میں پیدا کر سکتا ہے۔ دوسرا شخص زیادہ سے زیادہ آپ کو حقیقت سے آگاہ کر سکتا اور جس بات کا آپ کو علم نہ ہو اسے آپ کو سمجھا سکتا ہے۔ آپ کے اندر ایمان داخل نہیں کر سکتا خواہ وہ کتنا ہی کیوں نہ چاہے۔ اور تو اور خود نبی اکرمؐ کے متعلق قرآن میں ہے کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ .... (۲۸/۵۶) تو کسی شخص کو راستہ پر لگا نہیں سکتا خواہ تو کتنا ہی کیوں نہ چاہے۔ راستہ پر وہی لگ سکتا ہے جو اللہ کے قانون کے مطابق آپ پر خود لگنا چاہے۔ اور اللہ کا وہ قانون یہ ہے کہ جو شخص تفقہ اور تدبر سے کام نہیں لیتا اور یوں زندگی کے صحیح راستے سے پھر جانا چاہتا ہے، اُسے اُس راستے سے پھرا دیا جاتا ہے........ ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (۹/۱۲۷) آپ نے غور کیا برادران! کہ صحیح راستہ پر چلنے (یعنی ایمان اور ایمان کی رُو سے اپنے اندر "داخلی انقلاب" پیدا کرنے) کے لئے تدبر و تفکر کی شرط کس قدر بنیادی ہے؟ اس سے ظاہر ہے کہ جس شخص کے دل میں اس قسم کا ایمان پیدا نہ ہو، اُسے جان لینا چاہیئے کہ یا تو وہ اس حقیقت کو سمجھا نہیں کہ قرآنی اقدار کے خلاف زندگی بسر کرنے سے ہلاکت یقینی ہے اور اگر اس نے اس حقیقت کو سمجھ لیا ہے (اور اس کے باوجود وہ ایمان پیدا نہیں ہوا) تو وہ شخص ہلاکت سے محفوظ رہنا نہیں چاہتا۔ ایسے شخص کے لئے حقیقت کا سمجھنا اور نہ سمجھنا برابر ہے جو شخص زندگی کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اس کے لئے یکساں ہے کہ اسے یہ بتایا جائے یا نہ بتایا جائے کہ کھانا زہر آلود ہے۔ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۲/۶) یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ابتدا ہی میں کہہ دیا ہے کہ یہ ضابطۂ ہدایت صرف ان لوگوں کی راہ نمائی کر سکتا ہے جو زندگی کی ہلاکتوں سے محفوظ رہنا چاہیں (هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۲/۲)

نبی اکرمؐ نے تعلیم کتاب وحکمت سے زندگی کی ان دونوں راہوں کو واضح کرکے بتادیا اور اچھی طرح سمجھادیا۔ جن لوگوں نے اسے سمجھ لیا اور سمجھنے کے بعد فیصلہ کرلیا کہ انھیں ہلاکت سے بچنا ہے اُن کے اندر ایمان اس انداز سے پیدا ہوا کہ دنیا کی سخت سے سخت تکلیف یا بڑے سے بڑا لالچ انھیں اس راستے سے ہٹاکر دوسرے راستے پر چلنے کے لئے آمادہ یا مجبور نہ کرسکا۔ اور یہ چیز بالکل بدیہی اور فطری ہے۔ جو شخص موت سے بچنا چاہتا ہے، وہ زہر آلود کھانے کی طرف نظر اٹھاکر دیکھنے کے لئے تیار نہ ہوگا خواہ اس کی ٹھڑی تک بھی کیوں نہ ادھیڑ دی جائے یا دولت کے انبار اس کے سامنے کیوں نہ رکھ دیئے جائیں۔ اُس کی زبان سے کوڑے کی ہر ضرب کے ساتھ (حضرت) بلالؓ کی طرح یہی نکلے گا کہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ۔ اور زروسیم کی ہر پیشکش کو نگہ استحقار سے ٹھکراتے ہوئے وہ (حضور رسالتمآب کی اتباع میں) بلاتوقف کہہ دے گا کہ اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیا جائے تو بھی میں اپنے اس طریق سے نہیں ہٹونگا۔ اس لئے کہ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (۱۵/۶)۔ میں جانتا ہوں کہ اس راستے سے ہٹنے کا نام ہلاکت اور تباہی ہے۔

یہ ہے برادران! وہ علیٰ وجہ البصیرت ایمان جو انسان کے اندر ایسا انقلاب پیدا کردیتا ہے جس سے اُس کی نگاہ کا زاویہ بدل جاتا ہے۔ اقدار کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ زندگی کے راستے بدل جاتے ہیں حیات کے تصورات بدل جاتے ہیں، مقصود بدل جاتا ہے منتہی بدل جاتا ہے اور (قرآن کے الفاظ میں) یہ زمین بدل جاتی ہے آسمان بدل جاتا ہے۔ اور اس دنیا کہن کی جگہ ایک جہانِ تازہ اپنی پوری زیبائیوں اور رعنائیوں کے ساتھ منصۂ شہود پہ آجاتا ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبالؒ نے کہا تھا کہ

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

اس سے یہ حقیقت آپ کے سامنے آگئی ہوگی، کہ قرآن، زندگی کی ساری عمارت کو ایمان کی بنیادوں پر کیوں استوار کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے بغیر اُس عمارت کی کوئی اینٹ بھی صحیح رُخ پر نہیں رکھی جاسکتی۔ نہ ہی اس کے بغیر انسان کے سینے میں کردار کا جوش اور عمل کا ولولہ بیدار ہوسکتا ہے۔ یہ ایمان ہی کا کرشمہ ہے جس سے انسان کے سر میں وہ سودا پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ، کبھی یورپ کے کلیساؤں میں۔ اور کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں یہ کہہ کر اذانیں دیتا پھرتا ہے کہ

غزل سرایم و پیغام آشنا گویم
بایں بہانہ دریں بزم محرمے جویم

اس ایمان سے اس کے دل میں وہ قوت (سلطان) پیدا ہوجاتی ہے جس سے یہ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۵۵/۳۳)

سے بھی آگے چلا جاتا ہے

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کرلیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا

لہٰذا برادران! اگر کوئی اس کی شکایت کرتا ہے کہ اُس کے سر میں یہ سودا کیوں نہیں پیدا ہوتا اور اُس کے دل میں اس تپش و خلش اور سوز و گداز کی نمود کیوں نہیں ہوتی۔ اس کی خاکستر سے ایسا شعلۂ بے باک کیوں نہیں اٹھتا اور اس کی آرزوئیں عمیق اور ہمتیں بلند کیوں نہیں ہوتیں۔ تو اس سے کہو کہ

یقیں پیدا کر اے غافل! کہ مغلوبِ گماں تو ہے

اب میں برادران! ایک اور گوشے کی طرف آنا چاہتا ہوں۔ سورۂ آلِ عمران میں ہے اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ کیا یہ لوگ نظامِ خداوندی کے علاوہ کوئی اور نظام اختیار کرنا چاہتے ہیں؟ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (۳/۸۳) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں

## دینِ خداوندی

جو کوئی بھی ہے وہ خدا کے قانون کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہے۔ اور اُن کا ہر قدم اُسی کی طرف اٹھ رہا ہے۔ اس آیۂ جلیلہ میں ایک عظیم حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ کہا یہ گیا ہے کہ کائنات کی ہر شے (انسانوں سمیت) قانونِ خداوندی کے سامنے جھکتی ہے۔ (۹۴/۱۹) جہاں تک خارجی کائنات کا تعلق ہے، وہ اس قانون کے سامنے طوعاً (بہ طیبِ خاطر) سجدہ ریز ہے۔ چنانچہ سورۂ حٰمٓ میں ہے۔ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ (زمین کی تخلیق و تزئین کے بعد) خدا نے فضائی کروں کی طرف توجہ دی۔ اور وہ اُس وقت ہنوز گیس کی حالت میں تھے۔ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا۔ اس نے زمین اور آسمان سے کہا کہ تم طوعاً آؤ یا کرھاً تمہیں اس طرف بہرحال آنا ہوگا۔ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ (۴۱/۱۱) ان دونوں نے کہا کرھاً کیوں؟ ہم بہ طیبِ خاطر ادھر آتے ہیں۔ اب رہے انسان سو ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو قانونِ خداوندی کو طوعاً (بطیبِ خاطر) دل کی پوری رضامندی

## طوعاً و کرھاً

سے اختیار کرلیتا ہے۔ لیکن دوسرا گروہ وہ ہے جسے اس کے سامنے کرھاً جھکنا پڑتا ہے۔ یعنی خدا کا کائناتی قانون (کہ جسے عام طور پر زمانے کے تقاضے کہا جاتا ہے) اُنہیں اس کے تسلیم کرنے پر مجبور کردیتا ہے۔ قرنِ اوّل کی جماعتِ مومنین نے قرآنی نظام کو بطیبِ خاطر قبول کیا اور چند دنوں کے اندر اندر دنیا میں ایسا انقلاب برپا کردیا جس کی نظیر آسمان کی آنکھ نے اُس سے قبل نہیں دیکھی تھی۔ بعد میں آنے والوں نے اس ضابطۂ خداوندی کو چھوڑ کر انسانوں کے خود ساختہ قوانین و ضوابط کی اطاعت اختیار کرلی اور رفتہ رفتہ اُن کی کیفیت یہ ہوگئی کہ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ (۳۹/۴۵) جب اُن

لوگوں سے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے کہا جاتا ہے کہ وہ (انسانوں کے خود ساختہ مناہج و مسالک کو چھوڑ کر) صرف قانونِ خداوندی کی اطاعت اختیار کریں تو ان کے قلوب غم و غصہ سے طلسم پیچ و تاب بن جاتے ہیں۔ وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا (۱۷/۴۶) وہ نفرت و انتقام کے جذبات سے مغلوب ہو کر منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ مُعْرِضِيْنَ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ (۷۴/۵۰-۵۱)۔ جیسے بدکا ہوا گدھا شیر سے ڈر کر بھاگ اٹھتا ہے کہ وہ کہیں لے کھا نہ جائے۔ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (۳۹/۴۵)۔ لیکن جب خدا کے سوا اوروں کا نام لیا جاتا ہے تو خوشی سے ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں۔ اس ہزار سال میں قرآن کے متعلق جو ہمارا طرزِ عمل رہا ہے ان آیات میں اس کی صحیح

## قرآن سے بعد و مغایرت

صحیح تصویر سامنے آجاتی ہے جس گوشے سے سنئے اس قسم کی آوازیں سنائی دیں گی کہ "تنہا قرآن سے دین کی تکمیل نہیں ہوتی" (حالانکہ قرآن بھیجنے والے کا اعلان ہے کہ مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (۶/۳۸) دین کے متعلق کوئی بات ایسی نہیں جس کی اس کتاب میں کمی ہو۔ "یہ کتاب مبہم ہے۔" (حالانکہ اس نے اپنے آپ کو كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ کہا ہے۔ (۵/۱۵) "غیر واضح ہے" (حالانکہ اس کا دعوٰی ہے کہ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ (۴۱/۳) یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات کو نکھار کر، الگ الگ کر کے، بیان کیا گیا ہے۔) "یہ ناقابلِ فہم ہے" (حالانکہ خدا نے کہا ہے کہ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ (۵۴/۱۷) اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنایا ہے)۔ "غیر قرآنی فیصلے اس کے احکام کو منسوخ کر سکتے ہیں" (حالانکہ اس نے صاف طور پر کہہ دیا کہ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (۶/۳۴) احکامِ خداوندی کو کوئی بدلنے والا

## اور مخالفت

نہیں)، غرضیکہ کوئی تہمت ایسی نہیں جس سے ہم نے اس کتابِ عظیم و جلیل کو متہم نہ کیا ہو اور کوئی حربہ ایسا نہیں جسے ہم نے، لوگوں کو اس سے دور رکھنے کے لئے اختیار نہ کیا ہو۔ ماضی کی سرگذشت سے قطع نظر، خود ہمارے زمانے میں مسلمانوں کی طرف سے قرآن کی آواز کی جس قدر مخالفت ہو رہی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ وہ کونسی تدبیر ہے جو اس آواز کو دبانے کی خاطر نہیں کی جاتی؟ وہ کونسا جھوٹ ہے جو اس "ثوابِ عظیم" کے حصول کے لئے بولا نہیں جاتا؟ وہ کونسا بہتان ہے جو اس "جہادِ اکبر" کے لئے تراشا نہیں جاتا؟ لیکن اس کے باوجود، برادران! آپ دیکھئے کہ وہ جو قرآن نے کہا تھا کہ جو لوگ خدا کے قانون کے سامنے طوعاً نہیں جھکتے انہیں اس کے حضور کرہاً جھکنا پڑے گا، وہ کس قدر صحیح

## مجبوراً جھکنا پڑتا ہے

ہے۔ ابھی دو چار سال اُدھر کی بات ہے، کہ جب قرآنی نظامِ ربوبیت کے داعی طلوعِ اسلام کی طرف سے یہ آواز بلند کی گئی کہ رزق کے سرچشمے انفرادی ملکیت کے بجائے نظامِ خداوندی کی تحویل میں رہنے چاہئیں تاکہ وہ نوعِ انسانی کی عام پرورش کا ذریعہ بن سکیں تو اس کے خلاف چاروں طرف سے مخالفتوں کا طوفان اس تلاطم انگیزی سے اُبھرا گویا يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا (۲۲/۷۲) وہ اس قانونِ خداوندی کو پیش کرنے والوں پر جھپٹ پڑیں گے۔ لیکن اب اپنی مخالفین کو زمانے کے تقاضوں سے مجبور ہو کر

یہ کہنا پڑا ہے کہ

میرے خیال میں اس بارے میں پہلے گروہ (یعنی قدامت پسند طبقہ) کو بھی کوئی اختلاف نہیں ہوگا کہ بنیادی ضروریات پیدا کرنے والے ذرائع وعاملین کو کم از کم موجودہ حالت میں کچھ دنوں تک حکومت کے قانونی ہاتھوں میں رہنا چاہیئے جس کی گنجائش کتاب وسنت میں موجود ہے۔　(مجلہ رحیق۔ بابت جون ۱۹۵۶ء)

یعنی طلوعِ اسلام تو پھر بھی ان ذرائع کو وقت کے قرآنی نظام کے ہاتھوں میں دینے کی تجویز کرتا تھا۔ یہ حضرات انھیں موجودہ حکومت کے قانونی ہاتھوں میں دینے کی گنجائش کتاب وسنت میں پا رہے ہیں! آپ نے پیچ ملاحظہ فرمایا؟

یا مثلاً جب طلوعِ اسلام کی طرف سے اس حقیقت کا اعلان ہوا کہ قرآن کی رُو سے سرمایہ داری اور زمینداری کا نظام قطعاً باطل ہے تو قدامت پرست طبقہ کی طرف سے ہنگامہ برپا کر دیا گیا کہ یہ کمیونزم ہے۔ دہریت ہے۔ دین کیا فتنہ انگیزی ہے۔ چنانچہ اس کے خلاف تقریریں کی گئیں۔ کتابیں لکھی گئیں پمفلٹ شائع کئے گئے۔ انہی حضرات کو اب قانونِ خداوندی کے سامنے کس طرح کرتا جھکنا پڑا ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ انھوں نے حال ہی میں اپنی ایک کانفرنس میں حسب ذیل ریزولیشن پاس کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی ہر چیز انسان کے لئے پیدا کی ہے اور اصل قدر وقیمت سرمایہ کی نہیں انسان کی ہے اس لئے ایک اسلامی مملکت میں ملک کی دولت اور کاروبار کو عام شہریوں کی ترقی اور خدمت کے لئے وقف ہونا چاہیئے۔ رائج الوقت نظام نے اس دنیا کے تمام ذرائع معاش پر ایک محدود گروہ کا تسلط قائم کر دیا ہے اور سرمایہ کو انسان کا خدا بنا رکھا ہے۔ اس لئے ملک کی تمام دولت اور کاروبار اس مخصوص گروہ کی اجارہ داری بن چکے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ صورتِ حال سراسر ظالمانہ ہے اور ہم اسے ایک ایسے نظام سے بدل دینا چاہتے ہیں جس میں ملک کی دولت اور کاروبار پر اجارہ داری ختم ہو جائے اور عوام کو رزق حاصل کرنے اور دولت کے ذرائع سے فائدہ اٹھانے کے مساوی مواقع حاصل ہوں۔ اس نظریہ کو بروئے کار لانے کے لئے جماعتِ اسلامی موجودہ معاشی نظام میں حسب ذیل تبدیلیاں چاہتی ہے۔ (۱) بڑی بڑی ملکیتوں اور دولت کے ذخیروں کو اسلامی قانون کے مطابق عوام میں پھیلانے کا کام بلا تاخیر شروع کیا جائے۔۔

..........

(جماعت اسلامی کی لیبر کانفرنس میں پاس شدہ ریزولیشن۔۔ بحوالہ انجام کراچی بابت ۲۸ ستمبر ۵۶ء)

یا مثلاً جب طلوعِ اسلام نے کہا کہ اسلام میں فرقہ بندی شرک ہے، اور اُمت میں اختلاف خدا کا عذاب۔ تو ایک ہنگامہ برپا کر دیا گیا کہ یہ حدیث کا انکار ہے۔ سُنّتِ نبوی کی مخالفت ہے، کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اختلاف اُمتی رحمۃ۔ لیکن اب حدیث کے سب سے بڑے متبعین کی طرف سے اعلان ہو رہا ہے کہ

اختلاف اُمتی رحمۃ کا جملہ بالکل بے اصل اور غیر مستند ہے اور قطعاً اس لائق نہیں کہ اس کو حدیث سمجھ کر دیکھ

برہان کے طور پر استعمال کیا جائے۔ (الاعتصام۔ بابت ۲۰ راگست ۱۹۵۷ء)

**بِلّٰہِ الحمد۔ حوریاں رقص کناں سجدۂ شکرانہ زنند۔**

آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے سابقہ کنونشن میں کہا تھا کہ طلوعِ اسلام کی آواز کا اثر یہ ہے کہ اس کے مخالفین خود طلوعِ اسلام کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ ان کی تحریر و تقریر میں اس کے الفاظ و اصطلاحات بلاتکلف استعمال ہوتے ہیں حتیٰ کہ وہ قرآن کی آیات کا ترجمہ بھی اسی کے اسلوب و انداز میں کرتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے کہا تھا کہ

یہاں تک تو لگا لائے ہیں ہم رستے پہ واعظ کو
کہ سمجھاتا ہوا اب تا درِ میخانہ آتا ہے

لیکن اس ایک سال میں "واعظ" کے مشرب میں جس قدر نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی ہے (جس کی کچھ مثالیں میں نے ابھی ابھی پیش کی ہیں) اس کے پیشِ نظر میرا خیال ہے کہ اب ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہنا چاہیئے کہ

سنا ہے شیخ نے بھی بیعتِ پیرِ مغاں کر لی
غنیمت ہے کہ بھولا صبح کا ہنگامِ شام آیا

اور مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ وہ دن دُور نہیں جب پیرِ میخانہ تو واردِ توبہ شکنوں کا تعارف کچھ اس قسم کے الفاظ میں کرائے گا کہ

شریفِ مکہ رہا ہے کئی برس اسے شیخ
یہ میرا ب جو گدا ہے شراب خانے کا

**وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا** (۴/۱۹)

حقیقت یہ ہے برادرانِ عزیز۔ راہ میں اسے بحضورِ رب العزت جھکی ہوئی نگاہوں۔ لرزتے ہوئے ہونٹوں اور ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے بطور تحدیثِ نعمت عرض کرتا ہوں (نہ بہ غرضِ فخر و مباہات) کہ اس مختصر سے عرصہ میں قرآنی تصوراتِ زندگی اور نظریاتِ حیات کی شمعِ نورانی پر دوں سے چڑھے ہوئے پردے جس تیزی سے اُٹھتے چلے گئے ہیں، ہم اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ شاید نہ لگا سکیں کیونکہ یہ روشنی ہماری آنکھوں کے بہت زیادہ قریب ہے۔ لیکن آنے والی نسلیں جب اس دور پر نگہ بازگشت ڈالیں گی تو وہ فکر و نظر کے اس انقلاب کا صحیح صحیح اندازہ لگا سکیں گی۔

دعا دیں گے میرے بعد آنے والے میری وحشت کو
بہت کانٹے نکل آئے ہیں میرے ساتھ منزل کے

---

**لاء کمیشن** قرآنی فکر کی اس مخالفت کی ایک بین مثال وہ شور و شغب ہے جو لاء کمیشن میں میری شمولیت پر مچایا گیا، جیسا کہ طلوعِ اسلام کی اشاعت بابت اکتوبر میں بتایا گیا ہے، کمیشن میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کے متعلق ان مخالفت

کرنے والوں کا فتویٰ یہ ہے کہ وہ قرآن تک کے منکر ہیں رو واضح رہے کہ میں کمیشن کے اراکین کے متعلق کسی قسم کا اظہارِ خیال نہیں کر رہا۔ صرف ان مخالفین کے الزامات کو دُہرا رہا ہوں)۔ اس میں ایسے لوگ بھی ہیں (یعنی میرے علاوہ) جن کے متعلق ان کا کہنا ہے کہ وہ منکرِ حدیث ہیں۔ لیکن آپ نے دیکھا ہوگا کہ ان لوگوں کا نام تو محض ایک آدھ مرتبہ لیا گیا۔ اور وہ بھی برائے وزنِ بیت لیکن مخالفت کے طوفان کا سارا رُخ "خانۂ انوری" (یعنی اس خاکسار) کی طرف رہا۔ یہاں تک کہ اس کمیشن کا نام ہی انہوں نے "پرویزی کمیشن" رکھ دیا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ مخالفت اس اصول پر مبنی ہوتی کہ کمیشن میں ایسے لوگوں کو کیوں شامل کیا گیا ہے جو (بقول ان کے) قرآن یا حدیث کے منکر ہیں، تو ان تمام اراکین کی (جن کی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا ہے) یکساں مخالفت ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن ان سب کو چھوڑ کر تمام تیروں کا نشانہ جو صرف ایک کو بنا لیا گیا تو یہ اس حقیقت کی زندہ شہادت ہے کہ اس مخالفت کی بنیاد حدیث کی محبت نہیں کچھ اور ہے۔ میرا جرم یہ ہے کہ میں انسانی زندگی کے معاملات کے تصفیہ کے لیے اللہ کی کتاب کو سب سے اوپر رکھتا ہوں اور صحیح اور غلط کا معیار اسی کو قرار دیتا ہوں۔ حدیث کے متعلق جو میرا مسلک ہے میں نے اس کی وضاحت سال گذشتہ کی کنونشن سے خطاب میں ان الفاظ میں کر دی تھی!

> جو روایات نہ قرآن کے خلاف ہیں اور نہ ہی ان سے حضورؐ کی سیرتِ مقدسہ پر کسی قسم کا حرف آتا ہے انہیں ہم صحیح مانتے ہیں۔ (بازۂ زندگی۔ صفحہ)

اگر ایسا عقیدہ رکھنے والے کو منکرِ حدیث کہا جاتا ہے تو پھر معاف رکھیے۔

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم
جنید و شبلی و عطار ہم مست

اس صورت میں اس الزام سے تو کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔ باقی رہی حدیث کی قانونی حیثیت سو اس کے متعلق میں نے دوسرے مقام پر تفصیل سے گفتگو کی ہے جس کے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔

اس مخالفت کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ لاء کمیشن کا فریضہ صرف اتنا ہے کہ وہ مروجہ قوانین کو "کتاب و سنت" کے مطابق مدون کرنے کی سفارشات کرے۔ یعنی اس کا کام صرف سفارش کرنا ہے۔ اس سے زیادہ اسے کوئی اختیارات حاصل نہیں۔ کمیشن کی یہ سفارشات مجلس قانون ساز (لیجسلیٹو اسمبلی) کے سامنے پیش ہوں گی جو انھیں قانونی حیثیت دینے یا نہ دینے کا فیصلہ کرے گی۔ یعنی اس مجلس کو قانون سازی کا اختیار ہوگا۔ یہ کسی سے پوشیدہ نہیں کہ اس مجلس (یعنی لیجسلیٹو اسمبلی) میں ۔۔۔ اس آئین کی رُو سے جسے یہ مخالفین حضرات اسلامی آئین قرار دے چکے ہیں۔ یا کم از کم اُسے تسلیم کر چکے ہیں ۔۔۔ مسلمان ممبروں کے دوش بدوش غیر مسلم ممبرز (یعنی ہندو اور عیسائی) بھی موجود ہیں اور انھیں اس امر کا فیصلہ کرنے کے سلسلے کہ کونسا قانون کتاب و سنت کے مطابق ہے اور کونسا نہیں ووٹ دینے کا برابر کا حق حاصل ہے۔ اب آپ سوچئے کہ جس مجلس نے اسلامی قوانین کے متعلق آخری فیصلہ کرنا ہے اس میں غیر مسلموں کی شرکت تو ان "حامیانِ دینِ متین" کے نزدیک قطعاً

قابلِ اعتراض نہیں۔ لیکن اُس کمیشن میں جس کا کام صرف سفارش کرنا ہے، ایک ایسے مسلمان کی شرکت، جو روایات کے بارے میں ان کا ہم نوا نہیں، ان کے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ اور اِن کا یہ طرزِ عمل اُس شخص کے متعلق ہے جو آج تک یہ پکارتا چلا آرہا ہے کہ جس مجلس قانون ساز میں غیر مسلم بھی شریک ہوں وہ قطعاً اسلامی نہیں کہلا سکتی۔

## مخالفت کی وجہ

لیکن برادران! پیغامِ خداوندی کی یہ مخالفت کوئی نئی چیز نہیں۔ قرآن بتاتا ہے کہ شروع سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ (۳۴/۳۴) یہ تاریخ کی بیّن حقیقت ہے کہ دنیا کی کسی قوم کی طرف خدائی دعوت کا پہنچانے والا کوئی ایسا نہیں آیا جس کی مخالفت اس قوم کے مترفین کی طرف سے یہ کہہ کر نہ ہوئی ہو کہ ہم اس دعوت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اُن کی اس مخالفت کی وجہ کیا تھی، اس کے متعلق تاریخ کی شہادت قابلِ غور ہے۔

جہاں تک انبیاء سابقہؑ کا تعلق ہے، حضرت عیسیٰؑ کے سلسلہ میں اس مخالفت کی شدت اپنی انتہا تک پہنچ گئی تھی۔ مخالفت کا یہ طوفان ہیکل کے متولی اور یہودی شریعت کے علمبردار، علماء اور مشائخ (احبار و رہبان) کی طرف سے برپا کیا گیا تھا جو ان کے قتل تک کے درپے ہوگئے تھے۔ وہ آپ کے اس قدر شدید دشمن کیوں تھے، اس کی وجہ اور تفصیل حضرت مسیح کے ایک حواری، جناب برناباس نے اپنی انجیل کی فصل ۱۴۲ میں ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

> تب ان لوگوں نے کاہنوں کے سردار کے ساتھ مشورہ کیا اور کہا کہ اگر یہ آدمی بادشاہ ہوگیا تو ہم کیا کریں گے؟ یہ ہم پر بڑی مصیبت ہوگی۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی عبادت میں قدیم طریقہ کے مطابق اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ اس وقت تو یہ ہماری تقالید (رسومات) کو باطل کرنے کی قدرت نہیں رکھتا لیکن جب اسے حکومت حاصل ہوگئی، تو اس کے ماتحت ہمارا انجام کیا ہوگا؟ یقیناً ہم اور ہماری اولاد سب تباہ ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ اُس وقت ہم اپنی خدمت سے نکال دیئے جائیں گے اور ہم مجبور ہوں گے کہ اپنی روٹی عطیہ کے طور پر مانگیں۔ حالانکہ اس وقت خدا کا شکر ہے کہ ہمارا بادشاہ اور حاکم دونوں ہماری شریعت سے اجنبی ہیں اور ہماری شریعت کی بابت کچھ پرواہ کرنے والے نہیں۔ اور اسی سبب سے ہم قدرت رکھتے ہیں کہ جو چاہیں کرلیں۔ پس اگر ہم نے غلطی کی تو ہمارا اللہ رحیم ہے۔ قربانی اور روزے کے ساتھ اُسے راضی کرلینا ممکن ہے۔ مگر جب کہ یہ آدمی بادشاہ ہوگیا تو ہرگز نہ راضی کیا جاسکے گا جب تک یہ اللہ کی اطاعت ایسے ہی ہوتے نہ دیکھے جیسی کہ موسیٰ نے لکھی ہے۔

یعنی بات ساری یہ تھی کہ انہیں نظر آتا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ انہیں خدا کے احکام کے مطابق چلائیں گے جس سے ان کی پیشوائیت ختم ہو جائے گی اور ان کی اولاد کو خود کما کر روٹی کھانی پڑے گی اور چونکہ کمانے کا ڈھنگ انہیں آتا نہیں اس لئے انہیں عطیہ کے طور پر روٹی مانگنی پڑے گی۔ یعنی مسئلہ سارا اپنے اقتدار اور معاش کا تھا جسے تحفظ ناموس شریعت کے نقاب میں چھپایا جا رہا تھا۔ میرا خیال ہے برادران اس تاریخی شہادت کے بعد اس ضمن میں اس کے سوا اور کچھ کہنے کی

ضرورت باقی نہیں رہ جاتی کہ

نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریف پنجہ فگن نئے
وہی فطرت اسد اللہی۔ وہی مرحبی وہی عنتری

---

اب میں عزیزانِ من! آپ کی توجہ ایک اور گوشے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ تحریک پاکستان کے دوران ہم سمجھے بیٹھے تھے کہ جونہی پاکستان بن گیا ہماری تمام مشکلات حل ہو جائیں گی۔ پاکستان بن گیا لیکن مشکلات ویسی کی ویسی ہی رہیں۔ پھر ہم سے یہ کہا گیا کہ جب ہمارا دستور بن جائے گا تو ہمارا پاپ کٹ جائے گا۔ چنانچہ وہ دستور بھی بن گیا جس کے بننے پر یہ فتویٰ دیدیا گیا کہ للہ الحمد! اب

## مشکلات کا حل

ہماری مملکت اسلامی ہو گئی ہے لیکن ہمارے حالات کا سدھرنا تو ایک طرف، وہ پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گئے۔ اب ہم یہ آس لگائے بیٹھے ہیں کہ جب اسلامی قوانین مرتب ہو جائیں گے تو پھر حالات سنور جائیں گے۔ یاد رکھئے! جس طرح محض پاکستان بن جانے اور موجودہ آئین مرتب ہو جانے سے ہمارے حالات نہیں سدھر گئے اسی طرح مروجہ قوانین کے کتاب و سنت کے مطابق مدون ہو جانے سے بھی ہماری عقدہ کشائی از خود نہیں ہو جائے گی۔ اس کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ ہمارے دستور کو فی الواقعہ اسلامی ہونا چاہیئے۔ اسلامی دستور کی رُو سے مملکت کی غرض و غایت بلکہ وجہ جواز (Justification For Existence) یہ ہوتی ہے کہ

## اسلامی مملکت کے بنیادی خطوط

(۱) وہ تمام افراد مملکت کی بنیادی ضروریات زندگی کے بہم پہنچانے کی پوری پوری ذمہ دار ہو۔ اور

(۲) وہ تمام ایسے اسباب و ذرائع فراہم کرے جن سے افراد معاشرہ کی مضمرانہ صلاحیتیں پورے طور پر نشوونما پاتی رہیں۔ اور اس میں چھوٹے اور بڑے کی کوئی تمیز نہ ہو۔

(۳) اس میں انصاف بلاقیمت اور بلارعایت ملے۔ اور کوئی فیصلہ حدود اللہ سے نہ ٹکرائے۔ اگر کسی مملکت میں ایک متنفس بھی رات کو بھوکا سو جائے (حضرت عمرؓ نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوک سے مر گیا تو عمرؓ سے اس کی بابت قیامت میں بازپرس ہوگی) اگر اس میں ایک فرد بھی بغیر کپڑے کے رہ جائے، اگر کوئی ایک خاندان بھی چھت سے محروم ہو۔ اگر کوئی ایک بچہ بھی صحیح تعلیم و تربیت کے بغیر رہ جائے۔ اگر کوئی ایک مریض بھی بلا علاج کے مر جائے۔ اگر کسی غریب سے غریب انسان کی جان۔ مال۔ عزت۔ آبرو، محفوظ نہ رہے (یاد رہے کہ میں غریب سے غریب کا لفظ موجودہ معاشرتی حالات کے مطابق استعمال کر رہا ہوں ورنہ اسلامی مملکت میں کوئی غریب ہو نہیں سکتا)۔ اگر لوگوں کو انصاف حدود اللہ کے مطابق اور بلاقیمت نہ ملے۔ غرضیکہ جس مملکت میں کوئی فرزندِ آدم اپنے آپ کو کسی ضمن میں بھی کسی دوسرے کا محتاج پائے یا اپنے آپ کو تنہا محسوس کرے تو اس مملکت کو قطعاً حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے آپ کو اسلامی مملکت اور اپنے آئین و قوانین کو قرآنی قرار دے سکے۔

کس نباشد درجہاں محتاج کس
نکتۂ شرعِ مبیں این است و بس

دوسری شرط یہ ہے کہ اس مملکت کے سربراہ ان بنیادی تصورات پر دل سے یقین رکھیں۔ انھیں بروئے کار لانے کا عہد کریں اور خود اپنی زندگی حدود اللہ کی چار دیواری کے اندر بسر کریں۔

ہماری مملکت کے تصور میں یہ تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی جب تک افراد معاشرہ میں یہ احساس بیدار نہ ہو جائے کہ جو حکومت ان اسلامی تقاضوں کو پورا نہ کرے وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ کہہ سکیں کہ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ (۷۰/۴۱)۔ ہم قانونِ خداوندی کی رو سے اس پر قادر ہیں کہ تمہاری جگہ ایک بہتر حکومت کو لے آئیں۔ اور تمہاری کوئی قوت ہمیں ایسا کرنے سے روک نہیں سکتی۔ یہی ہے برادران وہ صحیح جمہوریت جسے قرآن سکھانے کے لئے آیا تھا۔

لیکن عوام میں یہ احساس بیدار نہیں ہو سکتا جب تک اس قرآنی فکر کو اس طرح عام نہ کیا جائے کہ ساری فضا اس سے متاثر ہو جائے۔ اور یہ ہے وہ فریضہ جسے، برادرانِ من! آپ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ اس سے آپ خود اندازہ لگا لیجئے کہ یہ فریضہ کس قدر اہم، اور یہ کام کس قدر مشکل اور وسیع ہے۔ اگر آپ

## ہماری ذمہ داری

واضح تر الفاظ میں سننا چاہتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پاکستان کا مستقبل اور اس میں قرآنی نظام کا قیام صرف آپ احباب کی سعی و عمل کے ساتھ وابستہ ہے۔ میں نے صرف کا لفظ یونہی زور دینے کے لئے استعمال نہیں کیا۔ ایک امر واقعہ بیان کرنے کے لئے کیا ہے۔ اور وہ امر واقعہ یہ ہے کہ اس وقت قرآنی فکر کی یہ آواز آپ کے اس مختصر سے حلقہ کے سوا اور کہیں سے نہیں اٹھ رہی۔ اس حلقہ کو چھوڑ دیجئے تو فضا میں چاروں طرف سے آپ کو یہ آواز سنائی دے گی کہ

عرب کہ باز دہد محفلِ شبانہ کجا است؟ | عجم کہ زندہ کند رودِ عاشقانہ کجا است؟
بزیرِ خرقۂ پیراں سبو چہ با خالی است؟ | فغاں کہ کس نشناسد مئے جوانہ کجا است؟

اس کے بعد آپ خود سوچ لیجئے، برادرانِ عزیز! کہ اگر ہماری کسی کوتاہی یا کم ہمتی، سہو یا لغزش سے یہ آواز دب کر رہ گئی تو فطرت کی عدالت میں ہمارا یہ جرم کس قدر سنگین اور اس کی تعزیر کس قدر سخت ہو گی۔ وہ ستم رسیدہ اور محروم تمنا انسانیت جسے ہم اس وقت پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ تمہاری مصیبتوں کا علاج اگر کہیں ہے تو، اسی (قرآنی) مینائے فکر نصور میں ہے، جب ہماری کوتاہی عمل سے اس کا رشتۂ امید منقطع ہو جائے گا تو وہ شاہراہِ زندگی پر ہمارا راستہ روک کر کھڑی ہو جائے گی اور ہمارا گریباں پکڑ کر پوچھے گی کہ

تہی اگر نہ سے صراحی تیری خالی ساقی! | تو چراغ درمیخانہ جلایا کیوں تھا؟
یوں اگر شورشِ ایام سے دب جانا تھا | کوچۂ عشق میں کیا کام تھا آیا کیوں تھا

سوچئے برادران! کہ اس وقت ہمارے پاس اپنی مدافعت کے لئے کیا جواب ہوگا؟ لہٰذا جسے اس پیغام رسانی کے فریضہ میں شریک ہونا ہے اسے سمجھ سوچ کر قدم اٹھانا چاہیئے کہ اس کی ناکامی کی زد بہت دور تک پہنچے گی۔ نیز اسے یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ (جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا ہے) قرآنی نظام کی طرف دعوت دینے والوں کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ اس دعوت کو دوسروں تک پہنچانے سے پہلے، اپنے اندر تطہیرِ فکر اور تعمیرِ سیرت پیدا کریں۔ جب تک خود ہماری فکر میں یہ تبدیلی پیدا نہیں ہو جاتی اور اس کی شہادت ہمارا کردار بہم نہیں پہنچا دیتا۔ ہم اس کے اہل ہی نہیں بن سکتے کہ دوسروں کو اس انقلاب کی طرف دعوت دیں۔ میں نے سال گذشتہ بھی کہا تھا اور اسے پھر دہرا دینا چاہتا ہوں کہ انقلابِ قرآنی کا مرحلہ بڑا صبر آزما اور ہمت طلب ہوتا ہے۔ یہ سفر صرف فکر و نظر کی پاکیزگی اور سیرت و کردار کی پختگی کے سہارے کٹتا ہے۔ اس میں نہ نمائش کے مواقع ہوتے ہیں نہ نمود کی گنجائش۔ نہ ذاتی صلے کی امید ہوتی ہے نہ ستائش کی توقع۔ اس میں عام پارٹیوں کی طرح عہدوں کی مسندیں ہوتی ہیں نہ مناصب کی لذتیں۔ بزمِ طلوعِ اسلام کسی پارٹی کا نام ہی نہیں۔ یہ بزمیں قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کا منظم ذریعہ ہیں اور بس۔ اسی قرآنی فکر کی محسوس و مشہود شکل کا نام قرآنی نظامِ ربوبیت ہے۔ آپ جتنی جلدی اس فکر کو عام کر دیں گے اتنی ہی جلدی یہ نظام متشکل ہو جائے گا۔ یوں تو عام حالات میں بھی کون نہیں چاہتا کہ یہ نظام جتنی جلدی ہو سکے وجہِ شادابیٔ کائنات بن جائے۔ ہم میں سے کون ہے جو راتوں کو اٹھ اٹھ کر باچشمِ نم یہ دعائیں نہیں مانگتا کہ

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا

اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا

## کمیونزم کا سیلاب

لیکن ملک کے حالات جس تیزی سے بگڑ رہے ہیں، اس کے پیشِ نظر اس نظام کے قیام میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہونی چاہیئے۔ ملک، بھوک اور افلاس کے عذاب میں ایک مدت سے مبتلا چلا آرہا ہے لیکن اب گرانی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ جنھیں پہلے روٹی مل جاتی تھی وہ بھی پریشان ہیں کہ اس تنگی سے گذارہ کیسے چلے گا۔ یہی ہیں وہ حالات جو کمیونزم کو بڑھ بڑھ کر آوازیں دیا کرتے ہیں۔ اس سیلابِ بلا کو صرف نظامِ ربوبیت روک سکتا ہے۔ اس وقت تک پاکستان کے مسلمان اتنا سننے کے لئے تیار ہیں کہ اگر کوئی نظام ان کی روٹی کے مسئلہ کو حل کر دے اور اس کے ساتھ ہی ان کا دین بھی محفوظ رہے تو وہ نظام کمیونزم کے مقابلہ میں بہتر ہے۔ لیکن اگر ایک دفعہ کمیونزم کا نظام چھا گیا تو مجھے خطرہ ہے کہ پھر مسلمان اس قسم کی کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ پھر وہ (سنٹرل ایشیا کی مسلمان ریاستوں کی طرح) زیادہ سے زیادہ یہ مطالبہ کرے گا کہ اسے نماز پڑھنے کی اجازت دیدی جائے اور قرآن کی تلاوت سے روکا نہ جائے۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ اس وقت ہم تاریخ کے کس نازک دوراہے پر کھڑے ہیں اور زمانے کے تقاضے ہم سے پکار پکار کر کس چیز کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ الحاد اور بے دینی کا جو آتشیں طوفان ہماری طرف امنڈے چلا آرہا ہے، افسوس ہے کہ ہمارے ارباب شریعت کو اس کا قطعاً احساس نہیں۔ وہ خود بھی شیعہ، سنی۔ مقلد، غیر مقلد۔ دیوبندی، بریلوی۔ اہل حدیث، اہل قرآن، کے جھگڑوں میں

اُلجھے ہوئے ہیں اور اُمت کو بھی اسی میں اُلجھائے رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ انہی مسائل کے حل میں جہادِ عظیم سمجھتے ہیں کہ

ابنِ مریم مرگیا یا زندۂ جاوید ہے — ہیں صفاتِ ذاتِ حق حق سے جدا یا عینِ ذات

آنے والے سے مسیحِ ناصری مقصود ہے — یا مجدد جس میں ہوں فرزندِ مریم کے صفات

ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم — اُمتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات

وہ الٰہیات و معتقدات کے ان ترشے ہوئے لات و منات کے طواف میں مصروف ہیں اور خدا فراموشی کی ابلیسی قوتیں اپنے کارندوں کو تاکید پر تاکید کئے جا رہی ہیں کہ

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں انھیں
پختہ تر کردو مزاجِ خانقاہی میں انھیں

تاکہ ——— ہونہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں ——— دوسری طرف اہلِ سیاست ہیں ان کے متعلق اس سے زیادہ (اور بہتر) اور کیا کہا جا سکتا ہے جو قرآن نے کہا ہے کہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ـ جَهَنَّمَ ... (۱۴/۲۸) کیا تو نے ان لوگوں کی حالت پر کبھی غور کیا جنہوں نے خدا کی نعمت کی ناسپاس گذاری کی اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں جا اُتارا۔ یعنی جہنم میں۔ یہ ہمارے یہ کار داں اپنی قوم کو جہنم کے عمیق گڑھے میں دھکیل کر، خود آتشیں رقص میں مصروف ہیں۔ انہیں اس سے کیا غرض کہ یہاں کفر کا غلبہ ہوتا ہے یا اسلام کا۔ ان کی تو حالت یہ ہے کہ

با دمے نرسید ی خندا چہ ی بوئی!

ان حالات میں، برادران! سوچئے کہ آپ کی ذمہ داریاں کس قدر شدید اور عظیم ہو جاتی ہیں۔

---

اس مقام پر مجھے ایک الجھن کا ذکر کرنا ہے جو اکثر احباب کے دل کو طلسمِ پیچ و تاب بنائے رکھتی ہے اور جس کے متعلق وہ اکثر و بیشتر مجھ سے دریافت کرتے رہتے ہیں۔ کہا یہ جاتا ہے کہ ملک کی دوسری تحریکیں بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہیں اور ہماری تحریک کی رفتار بڑی سست ہے۔ یہ درست ہے لیکن اس ضمن میں یہ حضرات اس بنیادی فرق کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو عام تحریکوں میں اور دعوتِ انقلاب میں ہوتا ہے۔

## ایک بنیادی فرق

دنیا میں جو شخص ان عقائد و نظریات کی تائید کے لئے اُٹھتا ہے جو لوگوں میں رائج ہوتے ہیں بغیر یہ تحقیق کئے کہ وہ صحیح ہیں یا غلط) اس کے لئے زندگی کی راہیں بڑی آسانیوں اور خوش خرامیوں کی راہیں ہوتی ہیں۔ ہر وادی کہکشاں بار اور ہر گوشہ زعفراں زار۔ وہ جب پہلے دن اپنی آواز بلند کرتا ہے تو لاکھوں کروڑوں انسانوں کو اپنا ہم نوا پاتا ہے۔ وہ جب اور جہاں، اپنے سامعین سے خطاب کرتا ہے تو ان میں سے ہر شخص

یہ سمجھتا ہے کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔

وہ جب ان متوارث رسوم و مسالک کی تائید میں (بزعم خویش) دلائل پیش کرتا ہے ـــ اور دنیا میں کونسا عقیدہ اور تصور ایسا ہے جس کے حق میں عقل حیلہ جو، دلائل نہیں تراش سکتی ـــ تو عوام کا گروہ عظیم اُسے اپنے عہد کا سب سے بڑا مفکر قرار دیتا ہے۔ وہ جس طرف سے گزرے، ہزاروں انسان اس کے پیچھے چلتے ہیں۔ اس طرح وہ ان کا مسلمہ لیڈر بن جاتا ہے۔ عقیدتمند اس کے لئے دیدۂ و دل فرش راہ کرتے اور اس کے حضور سر نیاز خم کرتے ہیں۔ ہر طرف سے اس پر پھولوں کی بارشیں ہوتی ہیں۔ ہر سمت سے "زندہ باد" کے فلک بوس نعروں سے اس کا استقبال کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے دنیا بھر کے سامانِ راحت و آسائش مہیا کئے جاتے ہیں متبعین اس کے جلو میں اور خدام اس کی بارگاہ میں دست بستہ ایستادہ رہتے ہیں۔ اس کے سب کام بلا مزد و معاوضہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہر معتقد اس کی خدمت کو موجب ہزار ثواب و سعادت سمجھتا ہے۔ وہ جس شخص یا گروہ کو اپنا حریف خیال کرتا ہے اسے کچلنے کے لئے اسے اس سے زیادہ کچھ نہیں کرنا پڑتا کہ وہ عوام کو یہ کہہ کر مشتعل کردے کہ یہ فتنہ پرداز تمہیں تمہارے اسلاف کے راستے سے برگشتہ کرنا اور اس طرح ایک نئے دین کی بنیاد رکھنا چاہتا ہے۔ لہذا، اس کی مخالفت "جہاد فی سبیل اللہ" کا درجہ رکھتی ہے۔ اس مہم کو سر کرنے کے لئے دولت کے ڈھیر اس کے قدموں میں لگ جاتے ہیں اور رضا کاروں کی جماعتیں اس کے اشارہ پر جان تک دینے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں۔ مختصر یہ کہ جو شخص عوام کے معتقدات اور نظریات کی تائید کے لئے اٹھتا ہے عزت، آسائش، دولت، قوت، امارت کی فتوحات اس کے حصے میں آتی ہیں اور اس کی تحریک جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی چلی جاتی ہے۔

اس کے برعکس اس تحریک پر غور کیجئے جو عوام کی رَو میں بہنے کی بجائے زمانے کے دھارے کا رخ صحیح سمت کی طرف موڑنے کے لئے اٹھتی ہے وہ مروجہ عقائد اور موروثی نظریات میں سے ایک ایک کو لیتی ہے اور انہیں ایک غیر متبدل معیار پر پرکھ کر حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دیتی ہے۔ اس تحریک کا داعی جب عوام کے کسی غلط عقیدہ یا مسلک کے خلاف لب کشائی کرتا ہے تو بھری محفل میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے، کوئی محرم اور کوئی ہم نوا نہیں ہوتا۔ اسے کوئی ایک ساتھی بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اس کی تائید کے لئے اس کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔ وہ اپنے پیغام کو لے کر کوبہ کو، دہ بدہ، قریہ بہ قریہ پھرتا اور ہر ایک سے کہتا ہے کہ

بیا در دیدۂ ایں حسا بود تحفہ اسنے
نوید شہر سخن ہائے گفتنی دارد

لیکن کوئی اس کی آواز پر کان نہیں دھرتا۔ وہ تھک کر بیٹھ جاتا اور ایک گہری سوچ میں ڈوب کر اپنے آپ سے کہتا ہے

کہ من شاید نخستیں آدمم از عالمے دیگر!

لیکن اس کے پیغام کی صداقت اور اس صداقت پر اس کا یقین اُسے آرام سے نہیں بیٹھنے دیتا۔

وہ پھر اُٹھتا ہے اور باندازِ دگر اپنا پیغام لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ کچھ لوگ اس کے قریب آتے ہیں اور اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ لیکن وہ یہ جانتے ہوئے کہ یونہی سطحی طور پر کسی انقلابی دعوت کی تائید کرنے والے اپنے آپ کو اور خود اس دعوت کو کس قدر نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان سے کھلے الفاظ میں کہتا ہے کہ

زمرغانِ چمن نا آشنایم
بشاخِ آشیاں تنہا سرایم
اگر نازک دلی ازمن کراں گیر
کہ خونم می تراود از ندایم

وہ اپنے پیغام کو اسی طرح دُہرائے چلا جاتا ہے تا آنکہ وہ (پیغام) فضا میں اپنے نقوش مرتب کرنے شروع کر دیتا ہے۔ اس سے ان لوگوں کو خطرہ محسوس ہوتا ہے جو اس کی اس انقلابی دعوت میں اپنی ... مفاد پرستیوں کی ہلاکت دیکھتے ہیں وہ اس کی مخالفت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ مخالفتوں کے اس ہجوم کے مقابلہ میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے اور اپنے اللہ سے دعا کرتا ہے کہ

باپرستارانِ شب دارم ستیز
باز روغن در چراغِ من بریز

یہ ہے وہ تحریک جسے لے کر آپ اُٹھے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ یہ اس قدر سست گام کیوں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو تو اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھنا چاہئے کہ اس بے سروسامانی کے عالم میں اور اس تھوڑے سے وقت میں یہ تحریک ایسے خوشگوار نتائج کی حامل ہو گئی ہے ورنہ ایسی تحریکوں میں تو اکثر و بیشتر ہوتا یہ ہے کہ اس کا داعی تنہا آتا ہے۔ تنہا رہتا ہے اور یہ کہہ کر تنہا یہاں سے چلا جاتا ہے کہ

چو رختِ خویش بربستم ازیں خاک
ہمہ گویند باما آشنا بود
ولیکن کس ندانست ایں مسافر
چہ گفت و باکہ گفت و از کجا بود

یعنی یوں تو اس کے گرد جاننے پہچاننے والوں کا ایک جمگھٹا رہتا ہے لیکن ان میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اس کا پیغام کیا ہے۔

یہی ہیں وہ لوگ جن کے متعلق جرمن شاعر (RILKE) نے کہا ہے کہ

Each torpid turn of the world
has such disinherited children,
to whom no longer what's been, and
not yet what is coming, belong.

یعنی جب دنیا جمود و تعطل کے بعد ایک نیا موڑ مڑنے لگتی ہے تو وہاں کچھ اپنے محروم الارث، تہیم، نظر آتے ہیں جو حاضر و موجود کو از خود تیاگ دیتے ہیں اور جو کچھ ابھی تشکیل ہونے والا ہوتا ہے وہ جنہیں ضمیر کا نتیجہ نہیں، پہلو بدل رہا ہوتا ہے اور اس لئے آب و تاب سے نمودار ہونے میں ابھی وقت ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اس سے بھی بہرہ یاب نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا وہ ماضی اور مستقبل دونوں کے ترکے سے محروم رہتے ہیں۔ یہی حالت ہوتی ہے اس داعیٔ انقلاب کی جس کے نزدیک مروّج و موجود غلط قرار پا جائے اور اس کی جگہ جن اقدار کے متمکن ہونے کے لئے وہ مصروفِ جدوجہد رہے وہ اس کی زندگی میں وجود پذیر نہ ہوں۔ وہ دنیا میں تنہا آتا ہے اور تخمِ انقلاب کی آبیاری کر کے تنہا دنیا سے چلا جاتا ہے کہ بعد میں آنے والے اس کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہوں۔ اسے اس کا افسوس نہیں ہوتا کہ اس نے اپنی جانفشانیوں کے نتائج اپنی آنکھوں سے کیوں نہیں دیکھے۔ اب آپ نے سمجھ لیا برادرانِ عزیز! کہ آپ کی تحریک سست گام کیوں ہے۔؟

---

اب میں برادران! چند الفاظ آپ کی اس تنظیمی کوشش یا تحریک کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں جسے بزمِ طلوعِ اسلام کہتے ہیں اور جس کا دوسرا سالانہ اجتماع اس وقت منعقد ہو رہا ہے۔ میں اس قرآنی فکر کو جو مجلہ طلوعِ اسلام اور اس کی طرف سے شائع کردہ لٹریچر کے ذریعے آپ تک پہنچ رہی ہے ایک عرصہ دراز تک انفرادی طور پر پھیلائے چلا جا رہا تھا۔ جو احباب اس فکر سے متفق ہوتے وہ بھی اپنی اپنی جگہ انفرادی طور پر اس کی مزید نشر و اشاعت کی کوشش کرتے تھے۔ چند سال اُدھر کا ذکر ہے کہ مردان کے احباب نے لکھا کہ ہم نے یہاں طلوعِ اسلام کی ایک بزم بنائی ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ اس قرآنی فکر کو باہمی اہتمام و تفہیم سے اچھی طرح سمجھا جائے اور پھر اس کی نشر و اشاعت کی اجتماعی کوشش کی جائے۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ خیال نیک ہے اور یہ ارادہ مبارک لیکن اس کی سخت احتیاط برتئے کہ آپ کی یہ اجتماعی کوشش کہیں پارٹی کا رنگ نہ اختیار کر جائے۔ اس لئے کہ اگر ایسا ہو گیا تو ہم اس اصل و بنیاد ہی کے خلاف چلے جائیں گے جس پر قرآنی فکر و نظام کی ساری عمارت استوار ہوتی ہے۔

**بزمِ طلوعِ اسلام**

اس طرح برادران! پہلی بزمِ طلوعِ اسلام وجود میں آئی۔ اس کے بعد بعض دیگر مقامات کے احباب نے بھی از خود اسی قسم کی بزمیں قائم کر لیں۔ جیسا کہ میں نے ابھی ابھی کہا ہے یہ بزمیں اس سے زیادہ ۔۔۔ کچھ نہیں تھیں کہ جو مقامی احباب اس فکر سے متفق تھے وہ مل بیٹھ کر تبادلۂ خیالات کرتے اور اس پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کی تجاویز سوچتے۔ ان بزموں کے نہ کوئی قواعد و ضوابط تھے نہ دساتیر و منشور، نہ رسمی کارروائیاں تھیں نہ آئینی حدود بندیاں۔ چند دوستوں کی نجی نشستیں تھیں جن میں قرآنی نظام کی حقیقتِ منتظرہ کو لباسِ مجاز میں دیکھنے کی تڑپ اور خلش کے پرخلوص مظاہرے ہوتے تھے۔ جب بزموں کا یہ سلسلہ زیادہ پھیل گیا تو سال گذشتہ لاہور کے احباب نے یہ تجویز کیا کہ بزموں کے احباب کا باہمی تعارف ہونا چاہیے تاکہ اس ربط و ضبط سے کام آگے بڑھایا جا سکے۔ اس طرح طلوعِ اسلام کی پہلی کنونشن کا

انعقاد ہوا۔ جو احباب اس میں شریک ہوئے تھے وہ اس کے شاہد ہیں کہ یہ اجتماع اپنے انداز کا بالکل نرالا اور اپنے رنگ کا یکسر انوکھا اجتماع تھا۔ یوں نظر آتا تھا جیسے ایک خاندان کے افراد اپنے گھر میں بیٹھے محبت اور پیار کی باتیں کر رہے ہیں اور گھر کی بہبود اور خوش حالی کی تجاویز سوچ رہے ہوں۔ اس اجتماع کی سادگی میں ایک عجیب انداز کا حسن، اور اس کے حسن میں ایک خاص وضع کی پاکیزگی تھی۔ یہ سب کچھ تھا لیکن مجھے رہ رہ کر یہ خدشہ (یا اس خدشہ کا وہم) ستا رہا تھا کہ خدا نہ کرے اس میں پارٹی بازی کا کوئی شائبہ آجائے۔ میرے بعض دوست مجھ سے کہا کرتے ہیں کہ تم اس باب میں بہت زیادہ وہمی واقع ہوئے ہو۔ میں ان سے کیا جواب دوں اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ

کے توانم دید زاہد جامِ صہبا بشکند
می پرد رنگم حبابے گر بدریا بشکند

یہی وہ (حقیقی یا وہمی) خدشہ تھا جس کے پیشِ نظر آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے سال گزشتہ کے خطاب میں اس بات پر کس قدر زور دیا تھا کہ اس تنظیمی کوشش میں پارٹی بازی کا رنگ نہ آنے پائے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس کنونشن کی کامیابی نے اس فکر و نظام کے مخالفین کو بہت زیادہ متردد اور بے چین کر دیا اور انہوں نے

### زیرِ نقاب مخالفت

اس کی تخریب کے لئے ایک نیا پروگرام تجویز کیا۔ قرآن میں بتایا ہے کہ جب اہلِ کتاب کی تمام کوششیں اسلام کی انقلابی تحریک کو نقصان پہنچانے میں ناکام رہ گئیں تو انہوں نے اپنا پینترا بدلا اور اس کی مخالفت کے لئے ایک نیا حربہ اختیار کیا۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (۳/۷۲)۔ تم یوں کرو کہ صبح کے وقت ان مسلمانوں سے کہو کہ ہم بھی ایمان لاتے ہیں۔ دن بھر ان میں مسلمان بن کر رہو۔ اس طرح ان کے اندر داخل ہو کر ناصح مشفق کے لباس میں ایسی ایسی باتیں کرو جن سے ان کے دلوں میں شکوک و شبہات اور ان کی تنظیم میں تشتت و انتشار پیدا ہو جائے۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ جب تم شام کو کفر کی طرف لوٹو تو تمہارے ساتھ ان میں سے بھی کچھ ادھر آجائیں۔ یہ تھے وہ لوگ جن کی اس سازش سے بچنے کے لئے قرآن کریم کی آخری دو سورتوں میں اس قدر تاکید آئی ہے۔ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ۔ الَّذِیْ يُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۔ (۱۱۴/۴-۶)

### وسوسہ انگیزی

ان میں تمہارے جانے پہچانے لوگ بھی ہوتے ہیں اور اجنبی بھی۔ وہ تمہاری جماعت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ شکاریوں کی طرح دبے پاؤں آکر، چپکے چپکے کانوں میں کچھ پھونک دیتے اور چوروں کی طرح پچھلے پاؤں لوٹ جاتے ہیں۔ وہ ان وسوسہ انگیزیوں سے تمہارے عزائم کو کمزور کر دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ (۱۱۳/۴) اور ان کی ان تخریبی سازشوں کا جذبۂ محرکہ حسد ہوتا ہے (وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ) (۱۱۳/۵)

یہی تھا وہ فیصلہ جو قرآنی فکر کے مخالفین نے سال گذشتہ کیا۔ چنانچہ سال کے دوران میں مختلف مقامات سے

## سالِ گذشتہ میں مخالفت

جو اطلاعات ہم تک پہنچتی رہیں وہ اس حقیقت کی صاف صاف غمازی کر رہی تھیں کہ یہ مخالفین، نا اہل شفق اور ہمدردانِ غم خوار کے نقاب میں طلوعِ اسلام کی بزموں میں آ گئے ہیں اور اپنی تخریبی کارروائیوں میں مصروف ہیں۔ جیسا کہ آپ احباب کو معلوم ہے، ہمارے ہاں کوئی راز نہیں۔ کوئی پس پردہ اسکیم نہیں۔ ہم کمرو ں کے اندر اپنی نجی محفلوں میں بھی وہی کچھ کہتے ہیں جو عام مجالس میں پیش کرتے ہیں۔ یہ کچھ ہم زبانی نہیں کہتے بلکہ لکھ کر شائع کر دیتے ہیں۔ ہمارا ایک ایک لفظ دوسروں کے پاس موجود ہے۔ اس لئے ہمیں اس سے قطعاً خطرہ نہیں کہ یہ لوگ ہماری محفلوں میں زیرِ نقاب آ جاتے ہیں۔ یہ اطلاع آکر لاس گئے کیا؟ آپ کو اس شخص کی کہانی تو یاد ہو گی جس کے ہاں رات کو چور گھس آیا۔ اس کی آنکھ کھل گئی تو اس نے لیٹے ہی لیٹے چور سے کہا کہ بھائی! مجھے اس گھر میں دن کے وقت کچھ نہیں ملتا، تمہیں رات کے وقت کیا ملے گا؟ اس لئے ہمیں ان کی یہ دُزدانہ کاوشیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ جو چیز نقصان پہنچاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ طرح طرح کی وسوسہ انگیزیوں سے آپ کی جماعتی زندگی میں انتشار پیدا کرتے ہیں۔ آپ کو نظری مباحث کی موشگافیوں اور تجریدی مسائل کی نکتہ آفرینیوں میں اُلجھائے رکھتے ہیں تاکہ آپ کسی عملی پروگرام کی طرف توجہ ہی نہ دے سکیں۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ آپ کی یہ تنظیمی کوشش کسی نہ کسی طرح پارٹی کی شکل اختیار کر جائے۔ وہ بزموں کے اندر تو یہ کچھ کرتے ہیں اور باہر جا کر طلوعِ اسلام کے مسلک و مقصد اور فکر و تعلیم کے متعلق لوگوں سے اس قسم کی باتیں کہتے ہیں جو طلوعِ اسلام کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں۔ لوگ یہ سمجھ کر کہ یہ بزمِ طلوعِ اسلام کے ممبر ہیں اس لئے "رازِ درونِ خانہ" سے واقف ہیں، ان خرافات کو سچا سمجھ لیتے ہیں۔ یہ ہے وہ سب سے بڑا نقصان جو قرآنی فکر و نظام کو ان لوگوں کی طرف سے پہنچایا جا رہا ہے۔

یہاں تک تو اُن مخالفین کا ذکر تھا جو بغرضِ تخریب طلوعِ اسلام کی بزموں میں شامل ہوتے ہیں۔ لیکن اُن سے کہیں زیادہ

## نادان دوست

نقصان کا باعث وہ نیک نیت لیکن سادہ لوح حضرات ثابت ہوئے ہیں جو ان زیرِ نقاب ناصحین کے دامِ تزویر کا شکار ہو کر نادانستہ اُن کا آلہ کار بن جاتے ہیں۔ اُن "دانا دشمنوں" کے متعلق تو آپ، تحقیقات کے بعد، یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس تنظیم میں شامل ہی تخریب کی غرض سے ہوئے تھے، لیکن ان "نادان دوستوں" کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟

ایک انقلابی دعوت کو (یعنی اس تحریک کو جس کا مقصد فکر و نظر میں انقلاب پیدا کرنا ہو) اپنے ابتدائی مراحل میں، اس قسم کے خطرات کی طرف سے بڑا محتاط رہنا پڑتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کا علاج تعوّذ بتایا ہے۔ (قل اعوذ برب الفلق۔ اور قل اعوذ برب الناس)۔ اَلْعُوْذُ۔ اونٹنیوں اور گھوڑیوں کے اُن نوزائیدہ بچوں کو کہتے ہیں جنہیں اپنی حفاظت کے لئے ہر وقت ماں کے قریب رہنا ہوتا ہے۔ عَاذَتْ بِوَلَدِهَا کے معنی ہیں نوزائیدہ بچے کے پاس کھڑے رہنا اور اس کی حفاظت کرنا۔ اَلْمُعَوَّذُ اس چراگاہ کو کہتے ہیں جو گھر کے آس پاس ہو تاکہ اس میں جانور اور اس کے بچے ہر وقت نگاہوں کے سامنے رہیں۔ لہٰذا تعوّذ کے معنی ہیں اپنے سرچشمۂ فکر اور مرکزِ نظام (قرآن) کے ساتھ اس طرح متمسک رہنا جس طرح نوزائیدہ بچے ماں کے ساتھ وابستہ رہتے ہیں۔ آپ نے غور فرمایا کہ ایک نوزائیدہ تحریک کو خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے قرآن نے طریق کیا بتایا؟ یہ کہ اس تحریک کے مخلص افراد کو اپنے مرکزِ فکر و نظام سے زیادہ سے زیادہ قریب رہنا چاہیئے۔ ہر خطرہ کے وقت بھاگ کر اس کی پناہ

میں آجانا چاہیئے انھیں پیشِ نظر معاملہ کو اُس کی طرف (REFER) کر دینا چاہیئے۔ یہی ہے وہ طریق کار جس کی طرف سورۂ نساء میں ان الفاظ میں توجہ دلائی گئی ہے کہ وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ .... (۴/۸۳)۔ جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات پہنچتی ہے تو یہ اُسے یونہی لے اُڑتے ہیں۔ اگر یہ اس کی بجائے اُس بات کو رسول کی طرف یا صاحبانِ اختیار کی طرف لوٹا دیں، تو ان میں سے جو اس کی تحقیق کریں وہ حقیقت تک پہنچ جائیں۔ یعنی پیشِ نظر معاملات میں از خود فیصلہ کر کے اُن پر عمل پیرا ہونے کے بجائے انھیں اپنے مرکز اور ارباب اختیار کی طرف لوٹا دینا چاہیئے۔

**علاج**

اس ضرورت اور احتیاط کی اہمیت کے پیشِ نظر، برادران! میں نے اب مناسب سمجھا ہے کہ بزموں کے نظم و نسق اور باہمی ربط و ضبط کے متعلق کچھ ہدایات منضبط کر دی جائیں تاکہ ان سے مخلص رفقائے سفر کو راہ نمائی مل سکے۔ یہی ہدایات سر دست آپ کے لئے دستور و آئین کا کام دیں گی۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ ان ہدایات کو بغور دیکھ لیں۔ جو حضرات ان سے متفق ہوں وہ اپنے آپ کو بزمِ طلوعِ اسلام سے متمسک رکھیں۔ جو یہ سمجھیں کہ اس سے ان کا دائرۂ فکر و عمل تنگ ہو جائے گا، وہ اپنی تگ و تاز کے لئے دوسرے میدان تجویز کر لیں۔ قرآنی فکر و عمل، طلوعِ اسلام کی اجارہ داری نہیں۔ جن کے دل میں اس کی لگن ہو وہ جو لائحہ عمل اور طریق کار اپنے لئے مناسب سمجھیں اختیار کر سکتے ہیں۔ لیکن (آپ مجھ سے متفق ہوں گے) کہ یہ ضروری ہے کہ جب تک کوئی شخص بزمِ طلوعِ اسلام سے وابستہ رہے اس کے لئے طلوعِ اسلام کی طرف سے نافذ کردہ ہدایات کی پابندی لازمی ہو گی۔ یہ صورت تو کسی کے نزدیک بھی قابلِ قبول نہیں قرار پا سکتی کہ آپ ممبر تو ہوں بزمِ طلوعِ اسلام کے اور اپنے فکر و عمل میں طلوعِ اسلام کے مسلک و مقصد اور ہدایات و ضوابط کے خلاف چلیں۔

---

برادرانِ گرامی قدر! میں نے آپ سے جو کچھ عرض کرنا تھا کر چکا۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری گزارشات کو پورے جذب و انہماک سے سُنا۔ آخر میں، میں اس حقیقت کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مبداءِ فیض کی انتہائی کرم گستری ہے کہ اس نے مجھے آپ جیسے مخلص احباب کی رفاقت سے نوازا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سفرِ حیات میں کسی رفیقِ غمخوار و دمساز کا مل جانا، راستے کی مشکلات کو آسانیوں میں بدل کر منزل کو قریب سے قریب تر لے آتا ہے۔ آپ احباب کی رفاقت نے میری عمرِ رفتہ کو آواز دے کر، میری آرزوؤں کو جوان، میری ہمتوں کو بلند، میرے ارادوں کو مستحکم، میرے جینے کو پُر بہار اور میرے مرنے کو پُر کیف بنا دیا ہے۔ کرم کردی الٰہی زندہ باشی! ۔۔۔ چہ عجب کہ اس سے میرے وہ تصورات جنھیں میں اس سے پہلے زندگی کے حسین خواب اور "نور و نکہت کی داستانِ خموش" سے زیادہ نہیں سمجھا کرتا تھا، ایک جیتے جاگتے، جہانِ نو کے حسین پیکر میں وجۂ شادابیٔ قلب و نظر بن جائیں۔ یہی وہ جہانِ نو ہے جس کی تلاش میں، جنت سے نکلا ہوا آدم، صدیوں سے مارا مارا پھر رہا ہے اور کہیں پناہ نہیں پاتا۔ یہی وہ فردوسِ گم گشتہ ہے جو اس کی آرزوؤں کا

منتہیٰ۔ اس کی امیدوں کا ماویٰ و ملجا اور اس کی زندگی کا آخری سہارا ہے۔ یہی وہ جنتِ ارضی ہے جس کے دروازے پر چاندی کی نورانی کرنوں سے لکھا ہوا ملتا ہے کہ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (۳) جو اس میں داخل ہو گیا، دنیا کے ہر خطرے سے محفوظ و مصئون ہو گیا۔ سوچیے برادرانِ عزیز! کہ اگر آپ کے ذوق و شوق۔ آپ کے سوز و گداز۔ آپ کے نالۂ نیم شبی۔ آپ کی آہِ سحرگاہی۔ آپ کی تگ و تاز۔ آپ کی سعی و عمل سے، انسان کے سامنے اس جنت کے دروازے کھل جائیں اور فضا اس زمزمۂ تبریک و تہنیت سے گونج اٹھے کہ

برخیز کہ آدم را ہنگامِ نمود آمد
ایں مشتِ غبارے را انجم بسجود آمد

تو اس سعادتِ کبریٰ، جان کی بیداری اور نصیبہ کی یاوری کا ٹھکانہ کیا ہوگا؟ اے کاروانِ جذب و مستی اور اے رہروانِ منزلِ شوق! آگے بڑھئے کہ دنیا کب سے آپ کے انتظار میں کھڑی ہے کہ

تماشا کہ اے محوِ آئینہ داری
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

خدا کی نصرت اور اس کی کائناتی قوتوں کی تائید آپ کے ساتھ ہو۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ - نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ - وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ (۴۱)

والسلام

پرویز

راولپنڈی ــــ ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۵ء

(انجمن پریس کراچی)

# ادارہ طلوعِ اسلام

**ناظم ادارہ طلوعِ اسلام کی رپورٹ جسے انھوں نے طلوعِ اسلام کی دوسری سالانہ کنونشن (راولپنڈی) میں پیش کیا۔**

---

ادارہ طلوعِ اسلام کے مقاصد، ابتدائی تاریخ اور کارگزاری کی تفصیلات لاہور کنونشن میں پیش کی جا چکی ہیں۔ لہٰذا ان کے اعادہ کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ مختصراً یہ کہ ادارہ کا مقصد قرآنی فکر کی نشر و اشاعت اور انجامِ کار قرآنی نظامِ ربوبیت کا قیام ہے۔ قرآنی فکر کی وضاحت ادارہ کو محترم پرویز صاحب سے ملتی ہے۔ اور اس کی نشر و اشاعت کا طریق کار چونکہ تجارتی نہیں بلکہ تبلیغی ہے۔ اس لئے بسا اوقات ادارہ کو مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور ان کی عقدہ کشائی کے لئے بھی محترم موصوف ہی کے ناخنِ تدبیر سے کام لیا جاتا ہے۔

قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے سالِ گذشتہ میں بھی سابقہ طریقوں سے کام لیا گیا۔ جن میں درس، طلوعِ اسلام، پمفلٹ اور کتب شامل ہیں۔ ہفتہ وار درسِ قرآن کا سلسلہ حسبِ سابق جاری رہا۔ درس کی ابتدا چند احباب سے ہوئی تھی۔ جو انگلیوں پر گنے جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ تعداد حاضرین دہائیوں میں گنی جانے لگی اور آجکل بحمداللہ سینکڑوں میں پہنچ گئی ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ وہ دن دور نہیں جب یہ تعداد ہزاروں میں شمار ہوگی۔ درس میں خواتین بھی معتدبہ تعداد میں شرکت کرنے لگی ہیں۔ درس کے علاوہ محترم پرویز صاحب ایک مختصر سے مجمع کے سامنے ٹھوس نوعیت کا ہفتہ وار لکچر دیتے ہیں۔ جس میں اسلام کے بنیادی اصولوں کی ایسی وضاحت ہوتی ہے جو سامعین کو دین کا صحیح مبلغ بنا دے۔

کراچی سے باہر بسنے والوں کا تقاضا ہے کہ ہفتہ وار درس طلوعِ اسلام میں چھاپا جائے تاکہ وہ بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔ تقاضا بجا ہے لیکن یہ تو سوچئے کہ درس ڈیڑھ گھنٹہ کا ہوتا ہے اور مہینہ میں چار درس ہوتے ہیں۔ اگر انھیں لکھ لیا گیا تو طلوعِ اسلام کی پوری ضخامت بھی ناکافی ہوگی۔ یہ بھی تجویز کی گئی ہے کہ انھیں پمفلٹ کی شکل میں چھاپا جائے۔ لیکن ہر ماہ چار پمفلٹوں کی تیاری اور طباعت کے لئے وقت اور روپیہ درکار ہونے کے علاوہ ان کی مفید طریق پر تقسیم کے لئے ایسی مشینری کی ضرورت ہے جو اس وقت موجود نہیں ہے۔

متعدد بار ہفتہ وار درس کو ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کیا گیا اور ٹیپ ہی پر سے سنا گیا۔

پمفلٹوں کی تقسیم کے سلسلہ میں آپ احباب کی بزموں نے خاص دلچسپی سے کام لیا ہے جس کی وجہ سے قرآنی فکر کی اشاعت کا سلسلہ آگے بڑھا ہے۔ ضرورت ہے کہ جن مقامات پر ابھی بزمیں قائم نہیں ہوئیں وہاں ان کا قیام عمل میں آجائے اور موجودہ بزمیں اپنے کام کی رفتار کو تیز تر کر دیں۔ واضح ہے کہ ادارہ بزموں سے کوئی مالی امداد نہیں لیتا (مالی امداد کہیں سے بھی نہیں لیتا) صرف ان کا تعاون چاہتا ہے۔

ماہنامہ طلوع اسلام باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا اور باقاعدگی سے سپرد ڈاک کیا جاتا رہا ہے۔ بعض خریداروں کو پرچہ وقت پر نہیں ملتا تو ان کا دھیان فوراً اس طرف جاتا ہے کہ ادارہ نے کوتاہی کی ہے اور ان کا پرچہ ڈاک میں نہیں ڈالا۔ یہ گمان صحیح نہیں ہوتا کیونکہ ادارہ تمام خریداروں کے پرچے باحتیاط تیار کرا کے ڈاک خانہ کے حوالے بیک وقت کر دیتا ہے۔ اب اگر کوئی پرچہ منزل مقصود تک نہیں پہنچتا تو یہ کوتاہی ڈاکخانہ کے عملہ کی ہوتی ہے نہ کہ ادارہ کی۔ ڈاکخانہ کی کوتاہیوں کے پیش نظر ادارہ نے قاعدہ بنا رکھا ہے کہ جو خریدار پرچہ نہ ملنے کی شکایت ماہ متعلقہ کی دس تاریخ تک ادارہ کو پہنچا دے گا، اسے پرچہ دوبارہ بلاقیمت بھیج دیا جائے گا۔

ماہنامہ طلوع اسلام کے اہم مضامین علیحدہ پمفلٹ کی شکل میں تقریباً ایک درجن شائع ہوئے۔ یہ پمفلٹ بہت مقبول ہوئے اور بعض کو بار بار چھاپنا پڑا ہے۔ پمفلٹ لاگت پر دیئے جاتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان کی تقسیم کو بہتر اور زیادہ موثر بنایا جائے۔ بزمہائے طلوع اسلام کو اس طرف خاص توجہ کرنی چاہیئے۔

طلوع اسلام کے ضمن میں ایک اہم واقعہ کا تذکرہ ضروری ہے۔ اور وہ ہے اس کے خریداران کے پتوں کا سرقہ۔ اس سرقہ کی داستان مختصر یہ ہے کہ کراچی میں ایک ادارہ ہے جو "ادارہ تحقیق حق" کے نام سے موسوم ہے۔ اس نے "فتنہ انکار حدیث" کے عنوان سے کچھ پمفلٹ شائع کئے۔ اور پھر فیصلہ کیا کہ جملہ پمفلٹ خریداران طلوع اسلام کو بھیجے جائیں تاکہ وہ اس کی تحقیق کو پڑھ کر راہ راست پر آجائیں۔ تکمیل مقصد کے لئے خریداران مذکور کے پتے درکار تھے۔ اور انہیں حاصل کرنے کے لئے طریق کار کے جائز یا ناجائز ہونے کو بالائے طاق رکھ دیا گیا اور اللہ کا نام لے کر ایسے کارکنوں سے کام لیا جو ڈاکخانہ سے متعلق تھے اور وہاں سے چرا کر انہیں پتے مہیا کر سکتے تھے۔ چنانچہ اسی طریق کار پر عمل ہوا۔ اور ادارہ تحقیق حق کے تحقیقی پمفلٹ خریداران طلوع اسلام کو دھڑا دھڑ پہنچنے لگے۔ خریداران نے طلوع اسلام سے شکایت کی کہ ان کے پتے بلا اجازت کیوں کسی کو دیئے گئے ہیں۔ اس پر طلوع اسلام نے ادارہ تحقیق حق سے بذریعہ رجسٹری خط دریافت کیا کہ انہوں نے مذکورہ پتے کہاں سے حاصل کئے تھے لیکن خط کا جواب آج تک نہیں مل سکا۔ یہ ہے ادارہ تحقیق حق کی حق پرستی۔ برعکس نہند نام زنگی کافور۔ خریداران طلوع اسلام پر اس کی تحقیق کا اثر تو اس کا اندازہ ایک خریدار کے حسب ذیل الفاظ سے کیجئے۔ وہ لکھتا ہے کہ "میں نے یہ چار دن پمفلٹ پڑھے۔ نہایت درجہ بے معنی، غیر مدلل اور عقل سے عاری انسان کے لکھے ہوئے پائے۔ ممکن ہے یہ دلائل جو انہوں نے پیش کئے ہیں کم سواد اور سادہ دل مسلمانوں پر اثر انداز ہوتے ہوں۔ لیکن ہر وہ شخص جو دین کو علیٰ وجہ البصیرت جانتا ہے ہرگز ایک لمحہ کے لئے ان علامہ صاحب کی تحریر کو قرآنی

نہیں سمجھ سکتا۔ میں نے آج ہی ایک خط علامہ موصوف کو تحریر کردیا ہے جس میں پہلے یہ دریافت کیا ہے۔ اسلامی اخلاق کا واسطہ دے کر کہ وہ یہ بتائیں انھیں میرا سرنامہ کہاں سے ملا اور بعد ان کو یہ بتایا ہے کہ براہ کرم طلوع اسلام کے مسلک کو یوں مسخ کرکے پیش نہ کریں بلکہ اس کے صحیح مسلک پر اگر آپ کو کوئی اعتراض ہے تو جو ہے اس کو پیش کرکے تنقید فرمادیں"۔

ادارہ طلوع اسلام نے مسروقہ پرچوں کے متعلق ڈاکخانہ کو بھی لکھا لیکن وہاں سے جو جواب ملا وہ یہ تھا کہ چور کو ہم پکڑیں اور پکڑ کر ڈاک خانہ کے حوالے کردیں تو پھر وہ اس کے خلاف محکمہ کی کارروائی کرسکتے ہیں!

طلوع اسلام کے مندرجات کے متعلق اتنا عرض کردینا کافی ہوگا کہ سالہائے ماسبق کی طرح امسال بھی اس کے صفحات پر قرآن کی روشنی مسلسل ضیا بیز رہی ہے۔ حالیہ مسائل پر قرآنی نگاہ سے تنقید اور قرآنی فکر کے اہم گوشوں پر مفصل مضامین ہر پرچہ میں جلوہ نما ہوتے رہے ہیں۔ حالیہ مسائل کے ضمن میں قومی انتشار اور لاقانونیت۔ سیاسی پارٹیوں کی کشمکش۔ مذہبی فرقوں کی باہمی آویزش۔ اختلاف عقائد پر قتل۔ فاقہ کشی سے مجبور ہوکر خودکشی۔ انسانی زندگی کی ارزانی۔ کشمیر اور نہری پانی۔ مغربی پاکستان کی وحدت۔ مشرقی پاکستان کا مطالبہ خود اختیاری۔ عرب میں غلامی۔ عرب نیشنلزم وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

قرآنی فکر کے اہم گوشوں پر حسب ذیل مضامین خاص توجہ اور بغور مطالعہ کے متقضی ہیں۔

قوموں کے عروج و زوال کا ابدی قانون۔ قوموں کے تمدن (کلچر) پر جنسیات کا اثر۔ اسلامی مملکت میں قانون شریعت کس طرح مرتب ہوگا؟ عید الفطر یا جشن نزول قرآن۔ اندھے کی لکڑی یا تقلید کا قدیم چکر۔ نماز کس زبان میں ادا کی جائے۔ حج یا آل ورلڈ مسلم کانفرنس۔ یہ زمین کس کی ہے۔ مقام محمدی۔

سال گذشتہ میں جو کتابیں شائع ہوئیں ان کے نام یہ ہیں۔

برق طور جو معارف القرآن کی کڑی ہے۔ تاریخ الامت جلد ششم و ہفتم۔ طاہرہ کے نام خطوط۔ ہر دو حصص۔ اور اسلام میں قانون سازی کا اصول۔ آخر الذکر کتاب سینکڑوں کی تعداد میں ملک کے ارباب فکر اور اراکین مجالس قانون ساز کو تحفۃً بھیجی گئی ہے۔ طاہرہ کے نام خطوط بھی بہت مقبول ہوئے۔

طباعت کتب کا کام تیز تر ہوسکتا ہے اگر پیشگی خریداران کی اسکیم کو زیادہ کامیاب بنایا جائے۔ قرآنی فکر سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ اسکیم خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ اسکیم یہ ہے کہ آپ ادارہ کو ایک سو روپے یکمشت یا باقساط ادا کردیتے ہیں اور ادارہ آپ کو آپ کی ادا کردہ رقم کی لاگت کی کتابیں آپ کے گھر بلا محصول ڈاک پہنچا دیتا ہے۔ گویا رقم صرف پیشگی ادا ہوکر کچھ وقفہ کے بعد واپس آجاتی ہے۔ لیکن پیشگی ادائیگی سے کتابوں کی طباعت کا کام آسان ہوجاتا ہے۔ یہ سرمایہ نہ ہونے کا نتیجہ ہے کہ محترم پرویز صاحب کی دو اہم اور بنیادی تصانیف مسودہ کی شکل میں ایک عرصے سے رکھی ہوئی ہیں اور ان کی کتابت اور طباعت کا نام نہیں لیا جاسکتا۔ ان میں سے پہلی تصنیف قرآن کے الفاظ کے معانی کے متعلق ہے۔ اس میں ہر مادہ کے بنیادی معنی متعین کئے گئے ہیں اور پھر اس کے جو جو مشتقات قرآن میں استعمال ہوئے ہیں، ان کا مطلب لکھا گیا ہے۔ اس طرح کہ کوئی بات بے سند بیان نہ

کی جائے۔ یہ تصنیف قرآنی الفاظ پر سے انسانی تصورات کے پردے ہٹا کر قرآن کے اصل پیغام کو اجاگر کرنے میں اپنا جواب آپ ہی ہوگی۔ واقعہ یہ ہے کہ تنہا اس لغت کے پڑھنے سے قرآنی تصورات کا نقشہ بہ تمام و کمال نظر کے سامنے آکر ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ جس لغت کی بنیاد پر مفہوم مرتب ہوا ہے، وہ ہے قرآن کریم کا مفہوم بھی آگیا ہے۔ وہ اس نہج پر لکھا گیا ہے۔ مفہوم کی صورت یہ ہے کہ پڑھنے والے کو مطلب سمجھنے میں ذرا دقت نہیں ہوتی اور مروجہ تراجم سے کچھ جو الجھاؤ پیدا ہوتا ہے اس کا یہاں نام تک نہیں رہتا۔ یہ مفہوم میں تشریحی نوٹ لکھنے کی ضرورت ہی لاحق نہیں ہوتی۔ یہ مفہوم عربی متن کے ساتھ چھپے گا۔ اس لئے کتاب کی ضخامت دوگنی ہو جائے گی۔ لغات اور مفہوم کی موجودگی میں ہر گھر قرآن کی درسگاہ بن سکتا ہے اور چند ہی عرصہ میں قرآنی فکر پھیل کر سارے پاکستان کو محیط ہو سکتا ہے۔

لیکن سرمایہ کے فقدان نے ایسی اہم اور بنیادی تصانیف کو چھپنے سے روک رکھا ہے۔ اس مقام پر یہ بیان کر دینا غیر محل نہ ہوگا کہ محترم پرویز صاحب نے اپنی تمام تصانیف ادارہ کو مفت دے رکھی ہیں اور وہ ان کی رائلٹی تک بھی نہیں لیتے۔ انہی کتابوں کی آمدنی سے ادارہ کا نظم و نسق اور قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کا تمام کاروبار چلتا ہے۔ اتنے بڑے ادارے کے کاروبار سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ اس کے پاس اتنا سرمایہ ضرور ہو جانا چاہیئے تھا جس سے اس قسم کی ضخیم کتابیں چھپ سکتیں۔ لیکن جیسا کہ شروع میں کہا گیا ہے، ادارہ کاروباری نہیں تبلیغی ہے۔ اور قرآنی فکر کی تبلیغ کے سلسلہ میں اس کے سامنے اس قدر وسیع میدان ہے کہ موجودہ آمدنی سے سو گنا آمدنی ہو تو بھی وہ ان تبلیغی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کافی نہ ہوگی۔ ان حالات میں ادارہ کے پاس سرمایہ کے جمع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ادارہ طلوع اسلام کے مشن کو آگے بڑھانے کے سلسلہ میں اہم اقدام حکومت کی طرف سے لاء کمیشن کا تقرر اور اس میں محترم پرویز صاحب کی شمولیت ہے۔ موصوف کی شمولیت سے امکان پیدا ہو گیا ہے کہ قرآنی نقطۂ نظر کمیشن کے سامنے کما حقہ آجائے گا اور قرآن کو مجبور بنانے والے تصورات کا پردہ چاک کیا جائے گا۔ لاء کمیشن کا تقرر نہ صرف پاکستان بلکہ ملت اسلامیہ کی پوری زندگی میں ایک تاریخی اقدام ہے۔ اسلامی قوانین کا کوئی مرتب ضابطہ اس وقت موجود نہیں۔ لاء کمیشن یہ ضابطہ بھی تیار کرے گا اور قوانین مندرجہ کو کتاب و سنت کے مطابق منتقل ہونے کی سفارش بھی کرے گا۔ اگر قرآن کریم کے منشا کے مطابق اس فریضہ کی ادائگی میں کمیشن کامیاب ہو گیا تو نہ صرف پاکستان کو دیگر اسلامی ممالک میں خاص مقام حاصل ہو جائے گا بلکہ غیر مسلم اقوام بھی دیکھ سکیں گی کہ قرآن کریم نوع انسانی کے اہم مسائل کا حل کس حسن و خوبی سے کرتا ہے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پرویز صاحب کو صحت و زندگی عطا فرمائے تاکہ وہ اس عظیم کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔ بحمد اللہ موصوف کی مساعی کے خوشگوار نتائج ظہور ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ان کی کتاب "اسلام میں قانون سازی کا اصول" نہ صرف یہ کہ بے حد مقبول ہوئی ہے بلکہ ایک جج نے تو اپنے فیصلہ میں اس کا ذکر بھی کر دیا ہے۔

لاہور کنونشن میں تجویز کی گئی تھی کہ ادارہ طلوع اسلام کو لاہور میں منتقل کر دیا جائے۔ ادارہ کے پاس نہ اپنا مکان ہے

دفتر، پرویز صاحب ہی کے مکان کے ایک حصہ میں متمکن ہے۔ لاہور میں بھی اس کے لئے مکان یا دفتر کا انتظام نہیں۔ اس لئے ادارہ کے لاہور میں منتقل ہونے کے معنی ہیں پرویز صاحب کا لاہور میں منتقل ہو جانا۔ چونکہ سالِ گذشتہ کنونشن میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ لاہور میں منتقل ہو جائیں۔ اس لئے انہوں نے احباب کے اصرار اور اپنے مشن کے تقاضوں کے پیش نظر اس فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اسے عملی شکل دینے کی ایک ہی صورت تھی کہ وہ کراچی میں اپنے مکان کو بیچ کر لاہور میں مکان اور دفتر بنائیں۔ وہ آجکل اسی فکر میں ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ آئندہ موسم کے دوران میں وہ لاہور میں منتقل ہو سکیں گے۔

دورانِ سال میں دو یورپین خواتین نے محترم پرویز صاحب سے قرآنی تعلیم کو سن کر اسلام قبول کیا۔ اس واقعہ سے تجربہ ہوا کہ جو ذہن پہلے سے غلط تصورات سے آلودہ نہ ہوں، ان پر قرآنی تعلیم کس برق رفتاری سے اثر کرتی ہے۔ اگر یورپ اور امریکہ میں صحیح قرآنی لٹریچر پہنچایا جا سکے تو یقین ہوتا ہے کہ وہاں کی فضا اسلام کے لئے بہت سازگار ثابت ہوگی۔

قرآنی لٹریچر کی نشر و اشاعت کا انگریزی زبان میں ہونا وقت کا اہم تقاضا ہے۔ ادارہ طلوع اسلام تقاضے کی اہمیت کو شدت سے محسوس کرتا ہے۔ مگر بے سروسامانی اور قوم میں قابلیت کی کمی کچھ کرنے نہیں دیتی۔ ادارہ نے بصرفِ کثیر نظامِ ربوبیت کا ترجمہ انگریزی میں کرایا تھا۔ لیکن جب کتاب کی انگریزی سامنے آئی تو مصنف نے اس کے چھاپنے کی اجازت نہیں دی۔ عمدہ انگریزی لکھنے والوں کی بامعاوضہ خدمات حاصل کرنے کے لئے اخبارات میں اشتہارات بھی دیئے گئے۔ لیکن اس کا بھی کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ ان تجربات سے ہم پھر اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جب تک ایسا تربیتی مرکز قائم نہیں کیا جاتا جس میں قوم کے ہونہار تعلیم یافتہ نوجوان پرویز صاحب کے ساتھ رہ کر قرآنی فکر کو اپنے قلب و دماغ کی گہرائیوں میں سمو لیں اس فکر کا انگریزی زبان تو ایک طرف، اردو زبان میں بھی آگے بڑھنا مشکل ہے۔ اس وقت تک کوئی ایک فرد بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اس باب میں ادارہ کا ہاتھ بٹا سکے۔ کام کی کثرت، ذمہ داریوں کے احساس اور صحت کی خرابی نے پرویز صاحب کو قبل از وقت بوڑھا کر دیا ہے۔ اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ کچھ لوگ ایسے پیدا ہو جائیں جو ان کا کچھ بوجھ بٹا سکیں۔

---

# خطاب

(سیکرٹری بزمِ طلوعِ اسلام، راولپنڈی)

برادرانِ محترم۔ سلام و رحمت!

راولپنڈی اپنی خوش بختی پر بجا طور پر فخر کر سکتا ہے کہ اُسے کنونشن کی صورت میں قرآنی فکر کے داعیان کو خوش آمدید کہنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ قرآنی فکر کو عام کرنے کی جس علمی اور اجتماعی کوشش کا آغاز سالِ گذشتہ لاہور سے

ہوا تھا اُسے ایک قدم اور آگے لے جانے کی سعادت راولپنڈی کے حصے میں آئی ہے۔ لاہور شروع ہی سے علم و تمدن کا گہوارہ رہا ہے وہاں کا ذرہ ذرہ اپنے اندر فکر و نظر کی عظیم روایات سموئے ہوئے ہے۔ اگر اُسے ملتِ اسلامیہ کے قلب کی دھڑکن کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس کے مقابلے میں راولپنڈی ملی و سیاسی علمی و ادبی تحریکوں میں بہت پیچھے رہا ہے۔ لیکن یہاں کے جرأت آزما باشندوں کی شجاعت و مردانگی کی داستانیں ہمیشہ ضرب المثل رہی ہیں۔ پاکستان اگر ملتِ اسلامیہ کا جسم ہے تو راولپنڈی اس کا بازوئے شمشیر زن۔ ذہنی اور جسمانی غلامی فرسودہ روایات و ماضی پرستی ہر قوم کے جوہرِ حیات اور حریتِ فکر کے لئے سمِ قاتل کا اثر رکھتی ہے۔ یوں تو ہماری پوری کی پوری قوم ہی اس عذابِ الیم میں مبتلا تھی مگر اس علاقہ کے باشندوں کے لئے تنگیٔ رزق و معیشت اور بھی باعثِ صد عذاب تھی۔ یہاں جسم تو کسی نہ طرح افزائش پاتے رہے لیکن فکری اور تعمیری صلاحیتیں شل ہو کر رہ گئیں۔ ملّا پرستی نے خودی کے تصور کو ابھرنے ہی نہ دیا۔ غلط معتقدات اور تنگ نظرانہ تعصبات یہاں ابھی ذہنوں پر شدید طور سے مسلط ہو گئے

ایسے ہی حالات میں یہاں قرآنی فکر کی اشاعت کا کام شروع ہوا۔ آج سے تین سال قبل چند دردمند دل رکھنے والے احباب اسی شہر کے ایک گوشے میں جمع ہوئے۔ بزمِ طلوعِ اسلام تشکیل پائی۔ ہم جب اُن حالات کا تصور کرتے ہیں جب اس مبارک کام کا آغاز کیا گیا تھا تو آج کا یہ عظیم اجتماع ایک خواب ایک معجزہ نظر آتا ہے۔ بزم کے کارکنوں کو مشکلات و موانعات کا شروع ہی سے اندازہ تھا اس لئے وہ بددل و ہراساں نہ ہوئے۔ رفقائے سفر کے عزمِ صمیم اور معاونت سے بادِ مخالف میں بھی یہ چراغ روشن رہا۔ اور آج اس چراغ کی روشنی محدود حلقے سے نکل کر گرد و پیش کو بھی منور کرنے لگی ہے۔ مخالفتوں اور بدگمانیوں کا غبار کافی حد تک چھٹ گیا ہے اس سے پیشتر جنہیں طلوعِ اسلام کا نام سننا بھی گوارا نہ تھا آج وہ لوگ ہماری آواز سننے کے لئے کم از کم رک ضرور جاتے ہیں۔ حقائق پر ایک ہلکی سی نظر رکھنے سے بھی یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ زندگی کی خوشگواریوں اور خوشحالیوں کا سرچشمہ و منبع دراصل وحیِ خداوندی یعنی قرآن ہی ہے۔ مگر اس وحیِ خداوندی کا نفاذ اس دنیا میں انسانوں کے ہاتھوں ہی ہو سکتا ہے اور یہی وہ نظام ہے جس سے انسانیت کی تمام کہنہ و پیچیدہ بیماریوں کا مداوا ممکن ہے ایسے نظام کو عملاً متشکل کرنے کے لئے ہمیں انتھک کوشش و بے لوث جدوجہد کرنی ہوگی ہم انتہائی خوش قسمت ہیں کہ آج ہمارے پاس ایک خطۂ زمین ہے جہاں ہم اپنی مرضی کے مطابق حسبِ منشا نظام رائج کر سکتے ہیں۔ ہمارے پاس قرآنِ حکیم موجود ہے جس کی نورانی شعاعیں آج بھی تاریکیوں کو منور کر سکتی ہیں۔ اور ان سب کے ساتھ ساتھ ہمارے پاس فکرِ پرویز ہے جو حقائقِ قرآنی پر چھائے ہوئے عجمی تصورات و فرسودہ روایات کے نمائشی صنم کدے ڈھانے کے لئے عصائے موسوی کا کام دے رہی ہے۔ واقعی خوش بخت ہے وہ قوم جو ان نعمتوں سے مالا مال ہے۔ مگر یاد رکھیے ان نعمتوں سے کما حقہٗ فائدہ اٹھانے کے لئے بہرحال ہمیں ہی تگ و دو کرنی ہوگی اس سلسلہ میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ہمارے بعض رفقائے سفر کو تعداد کی کمی کی شکایت ہوتی ہے لیکن دعوتِ انقلاب میں افراد کی کثرت و قلت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ربیع الاول کا یہی مبارک مہینہ تو تھا جب ایمان و عمل سے آراستہ قلیل گروہ قانونِ الٰہی کے مطابق باطل کی نظر فریب کثیر قوتوں پر غالب آ گیا کیونکہ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ (۲/۲۴۹)

آج ہم ایک عظیم الشان مقصد کے تحت جمع ہوئے ہیں۔ حصولِ منزل کے لئے ہمیں نئے سال کا لائحہ عمل مرتب کرنا ہے۔ میں جملہ رفقائے سفر کو اپنی بزم کی جانب سے خوش آمدید کہتا ہوں۔ اپنی بساط کے مطابق ہم نے کنونشن کے انتظامات میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ خامیاں ضرور

رہ گئی ہوں گی۔ لیکن ہمیں اتنا اطمینان ضرور ہے کہ کوتاہی دانستہ نہیں ہوئی۔ ایک جنسِ گراں مایہ آپ کو ہمارے ہاں فراواں ملے گی وہ ہے خلوص اور رفاقت کا یہ احساس ــــ کہ منزل ایک ہے اپنی۔ والسلام

(محمد حنیف) سکریٹری بزمِ طلوعِ اسلام۔ راولپنڈی۔

# ہمارا مسلک

ہمارا مسلک یہ ہے کہ

(۱) دین کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں سے خالص قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرائے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کی محکومی اور غلامی میں نہ رہے۔ خواہ یہ غلامی ذہنی اور فکری ہو اور خواہ طبعی یا اقتصادی۔

(۲) قوانینِ خداوندی کی اطاعت ایک نظام کی رو سے ہو سکتی ہے جسے استخلاف فی الارض (یا نظامِ مملکت) کہتے ہیں۔ قرآن کی رو سے استخلاف فی الارض کے بغیر دین کا تمکن ہو ہی نہیں سکتا۔

(۳) قرآن نے (بجز مستثنیات) دین کے اصولی قوانین دیئے ہیں اور اسے اس نظام پر چھوڑا ہے کہ وہ ان اصولوں کی روشنی میں اپنے وقت کے تقاضوں کے مطابق جزئیات خود متعین کرے۔

(۴) رسول اللہؐ نے سب سے پہلے نظامِ قرآنی قائم کیا اور اپنے رفقائے کار (صحابہ کبارؓ) کے مشورہ سے قرآن کے اصولی احکام کی جزئیات مرتب فرمائیں۔

(۵) رسول اللہؐ کے بعد دین کا یہی نظام حضورؐ کے خلفائے راشدینؓ نے جاری رکھا جو امورِ امت کو ملت کے مشورہ سے سرانجام دیتے تھے۔ قرآن کے جن اصولوں کی جزئیات اس سے پہلے متعین نہیں ہوئی تھیں، انہوں نے ان کا تعین کیا، جن میں کسی ردوبدل کی ضرورت تھی ان میں ضروری تغیر و تبدل کیا، جن میں ایسی ضرورت نہ تھی انہیں علیٰ حالہٖ باقی رکھا۔

(۶) بدقسمتی سے خلافت علیٰ منہاجِ رسالت کا یہ سلسلہ کچھ عرصہ کے بعد منقطع ہو گیا اور دین کا قرآنی نظام باقی نہ رہا۔ اس سے امت میں انتشار پیدا ہو گیا جس میں ہم اس وقت تک مبتلا ہیں۔ اب کرنے کا کام یہ ہے کہ پھر سے اسی انداز کا قرآنی نظام قائم کیا جائے جو امت کو قرآن کے مطابق چلائے۔

(۷) جب تک اس قسم کا نظام قائم نہیں ہوتا امت کے مختلف فرقے مختلف جزئیات پر جس انداز سے عمل پیرا ہیں کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ان

میں کسی قسم کا ردوبدل کرے۔ یہ حق صرف قرآنی نظام کو پہنچتا ہے کہ وہ ان اختلافات کو مٹا کر پھر سے امت میں وحدت پیدا کرے۔ اس دوران میں انتہائی کیا جا سکتا ہے کہ دین کے اس تصور کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے اور ہم میں جو عقائد و رسومات ایسی رائج ہو چکی ہیں جو قرآن کے خلاف ہیں ان کی طرف توجہ دلائی جائے تاکہ جو لوگ قرآن کے مطابق زندگی بسر کرنے کا جذبہ اپنے اندر رکھتے ہوں وہ اپنی اصلاح کرتے چلے جائیں۔

(۸) قرآن تمام نوع انسانی کے لئے واحد اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس کے ساتھ نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ لہٰذا نہ قرآن کے بعد خدا کی طرف سے کوئی اور کتاب آ سکتی ہے نہ رسول اللہ کے بعد کوئی اور نبی یا رسول۔

(۹) نبی اکرمؐ کی سیرت مقدسہ شرف انسانیت کی معراج کبریٰ کی مظہر تھی۔ لیکن بدقسمتی سے ہماری کتب روایات و تاریخ میں ایسی باتیں شامل ہو گئی ہیں جن سے حضورؐ کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے۔ آپ کی سیرت طیبہ کا جو حصہ قرآن کے اندر محفوظ ہے اس کے قطعی اور یقینی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ باقی رہا وہ حصہ جو قرآن سے باہر ہے سو اس میں اگر کوئی بات ایسی ہے جو قرآن کے خلاف جاتی ہے یا جس سے حضورؐ پر کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہے تو وہ بات ہمارے نزدیک وضعی ہے اور حضورؐ کی طرف غلط منسوب۔ ضرورت ہے کہ سیرت نبویؐ کے مجموعہ میں سے ان باتوں کو الگ کر دیا جائے جو روایات نہ قرآن کے خلاف ہیں اور نہ ہی ان سے حضورؐ کی سیرت مقدسہ پر کسی قسم کا حرف آتا ہے۔ انہیں ہم صحیح مانتے ہیں۔

(۱۰) ہم دین میں فرقہ سازی کو شرک سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہم کوئی فرقہ پیدا نہیں کرنا چاہتے۔ نہ ہی ہم نے کوئی نئی قسم کی نماز ایجاد کی ہے۔ نہ روزوں کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ نو دن کے ہیں۔ احکام اسلامی کے متعلق البتہ ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ ان کی پابندی محض ایک رسم کے طور پر نہیں کرنی چاہیئے بلکہ ان کی روح پر بھی نگاہ رکھنی چاہیئے۔

(۱۱) قرآنی نظام کا مقصود یہ ہے کہ انسان کی مضمر صلاحیتوں کی پوری پوری نشوونما ہو جائے۔ تاکہ نوع انسانی اس زندگی میں سر اٹھا کر چلے اور اس کے بعد کی زندگی میں شرف انسانیت کے باقی مراحل طے کرنے کے قابل ہو سکے۔

(۱۲) قرآنی نظام میں تمام افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریات زندگی بہم پہنچانے کی ذمہ داری معاشرہ پر ہوتی ہے۔ اس اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ وسائل پیداوار معاشرہ کی تحویل میں رہیں نہ کہ افراد کی ذاتی ملکیت میں جس میں معاشرہ کوئی دخل نہ دے سکے۔ یاد رہے کہ یہ تصور کمیونزم کے تصور سے یکسر مختلف ہے جس میں انسان کی طبیعی زندگی کے علاوہ کسی اور زندگی کا تصور نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کا نظام ربوبیت نہ سرمایہ داروں کے لئے خوش آئند ہو سکتا ہے۔ نہ کمیونسٹوں کے لئے۔

یہ ہے ہمارا مسلک اور مقصد جسے ہم برسوں سے دہراتے چلے آ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہماری طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ مخالفین کا پروپیگنڈہ ہے جو خاص مقصد کے لئے کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ طلوع اسلام)

# خطاب

(ڈاکٹر حبیب الرحمٰن خان صاحب صدر مرکزی بزم طلوعِ اسلام کراچی)

برادرانِ عزیز! سلام ورحمت! سالِ گذشتہ کی کونشن نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ کراچی کی بزم طلوعِ اسلام سرِدست مرکزی بزم تسلیم کی جائے تاکہ وہ ادارہ طلوعِ اسلام کے ساتھ نشرواشاعت کے سلسلہ میں تعاون کر سکے۔ کراچی کی بزم کیلئے جہاں فی نفسہٖ یہ سعادت باعثِ فخر تھی اُسی قدر اس کی ذمہ داریاں بھی اہم اور شدید تھیں۔ بزموں کی تنظیم بھی نئی نئی تھی اور اُن کی اور ہماری رہنمائی کیلئے ابھی کوئی باقاعدہ ضابطۂ ہدایات بھی مرتب نہیں ہوا تھا۔ لیکن ادارہ کا قرب ہمارے لئے اطمینان کا باعث تھا مجھے اس امر کے اعلان سے بڑی مسرت ہوتی ہے کہ مختلف بزموں نے جس اہتمام اور خلوص سے تعاون بڑھایا جس کی وجہ سے قرآنی فکر کی نشرواشاعت کا کام تسلی بخش صورت میں آگے بڑھتا گیا۔ کراچی کی ابتدائی بزم کے فرائض بھی اسی بزم کے ذمے تھے۔ اس نے ان فرائض کو بھی بطریقِ احسن سرانجام دیا۔ چنانچہ عام نشرواشاعت کے علاوہ عیدین، جمعۃ الوداع، اور دیگر اہم تقاریب پر اس سلسلہ کو کافی وسیع پیمانے پر آگے بڑھایا گیا۔ اور بحمد اللہ اس کا نتیجہ نیز خوشگوار مرتب ہوا۔ بزم کی طرف سے بعض پمفلٹوں کا ترجمہ سندھی اور گجراتی میں بھی شائع کیا گیا۔ کراچی میں اس کی بڑی ضرورت تھی۔ ازدواجی زندگی سے متعلق میری ایک انگریزی کی تقریر کو بھی پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا گیا۔

(۲) کونشن میں پاس کردہ ریزولیوشن کی رُو سے کراچی بزم کے ذمے تین فرائض عائد کئے گئے تھے (۱) نشرواشاعت کے سلسلہ میں ادارے سے تعاون کرنا (۲) ادارہ کا لٹریچر چھوٹے چھوٹے پمفلٹوں کی صورت میں آسان زبان میں عوام تک پہنچانے کیلئے ادارے سے رابطہ قائم کر کے اشاعت کا اہتمام کرنا۔ اور (۳) ادارہ کی طرف سے شائع شدہ پمفلٹوں کو سکولوں اور کالجوں اور دیگر تعلیم گاہوں تک پہنچانا۔ شق نمبر ۱ و ۲ کے متعلق ذکر اوپر کیا جا چکا ہے تیسری شق کے متعلق بزم نے پمفلٹوں کی تقسیم کے علاوہ نجی طور پر افہام و تفہیم کا طریقہ بھی اختیار کیا اور اس میں بھی کافی کامیابی ہوئی۔ کالجوں کے اساتذہ اور طلبا کو خاص طور پر مدعو کیا جاتا رہا اور اس طرح ان تک قرآنی پیغام پہنچایا جاتا رہا۔ اللہ کا شکر ہے کہ ان درسگاہوں میں اب قرآن کا چرچا ہونے لگا ہے

(۳) گذشتہ موسمِ گرما میں یوں تو انفلوئنزا کی وبا سارے ملک میں پھیلی تھی لیکن کراچی میں یہ سیلابِ بلا کی طرح امڈ آئی تھی۔ وہاں حالت یہ تھی کہ ہزاروں کی تعداد میں غریب افراد نادار مریض ایسے تھے جن کے علاج اور دوائی کی کوئی شکل نہ تھی۔ ان حالات میں بزم کی طرف سے شہر میں مرکز ایسے کھولے گئے جن میں طبی مشورہ، دوائی اور بعض صورتوں میں خوراک تک بھی مفت دی جاتی رہی۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک یہ سیلاب تھم نہیں گیا۔ اس کے نتائج بھی بڑے اطمینان بخش اور حوصلہ افزا تھے۔

(۴) قرآن کریم کو براہِ راست سمجھنے کیلئے عربی زبان کا جاننا اشد ضروری ہے۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر بزم کی طرف سے ایک عربک کلاس کا انتظام کیا گیا۔ عربی زبان کو ہمارے ہاں ہوّا بنا رکھا ہے لیکن اس تجربہ نے بتایا کہ اگر اس کی تعلیم سائنٹیفک طریق سے دی جائے تو یہ مرحلہ بڑی آسانی سے طے ہو سکتا ہے۔ ہماری کلاس کے لیکچر ہفتہ میں دو بار ہوتے تھے اور ایک لیکچر میں گھنٹہ سوا گھنٹہ سے زیادہ صرف نہیں ہوتا تھا۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ اس طرح صرف سات ماہ کے قلیل سے عرصہ میں عربی میں اتنی استعداد بہم پہنچا دی گئی جس سے قرآن کریم کو نہایت آسانی

سے سمجھا جاسکے اور اردو سے عربی میں ترجمہ کیا جاسکے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

(۵) محترم پرویز صاحب کے ہفتہ واری درس کا سلسلہ بھی باقاعدگی سے جاری رہا۔ ان خطبات کی جاذبیت اور افادیت کا اس سے اندازہ لگایئے کہ اب ہمیں جگہ کی تنگی کی شکایت ہو رہی ہے اسلئے کہ حاضرین کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ جو لوگ مخالفین کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہوتے ہیں انھیں درس گاہ تک لانے میں تو کاوش کرنی پڑتی ہے لیکن جو شخص ایک دفعہ وہاں پہنچ جائے یہ ناممکن ہے کہ وہ پھر دوبارہ از خود نہ آئے۔ قرآنی تعلیم انسان کو کہاں لے جانا چاہتی ہے اس کا اندازہ ان خطبات سے ہی لگ سکتا ہے۔

درس کے علاوہ ایک ہفتہ واری نشست ان احباب پر مشتمل ہوتی ہے جو قرآنی حقائق کو ذرا بلند سطح پہ سمجھنے کے اہل اور متمنی ہیں یہ سلسلہ بھی نوعیت کا آپ ہے اور اس کا صحیح تصور وہی کر سکتے ہیں جو اس میں شرکت کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس باب میں ہم نیاز مندان کراچی دیگر مقامات کے احباب کے مقابلہ میں بڑے خوش قسمت واقع ہوئے ہیں۔ اور اس پر ہم بجا طور پر ناز کر سکتے ہیں۔ اس احساس سے کہ جب پرویز صاحب لاہور منتقل ہو گئے تو ہماری زندگی میں کس قدر خلا واقع ہو جائے گا، ہمارا دل ڈوبنے لگتا ہے۔ لیکن پھر اس خیال سے کہ اس سے ہمارے مشن کو تقویت پہنچنے کی توقع ہے، ہم اسے خندہ پیشانی سے برداشت کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ ہمارے انفرادی مفاد اور ذاتی شوق کی لذتیں سب اس مشن پر نثار ہیں جو ہماری زندگی کا جزو بن چکا ہے۔

(۶) بعید از سپاس گذاری ہوگا اگر میں اپنے ان رفقاء کی حسن خدمات کا ذکر نہ کروں جن کے تعاون کے بغیر ہم اپنے پروگرام کو کبھی تکمیل تک نہیں پہنچا سکتے تھے۔ قرآنی فکر ہمیں رحماء بینہم ہونے کی تلقین کرتا ہے اور اسی میں ساری کامیابیوں کا راز ہے۔

(۷) اب میں آپ احباب سے رخصت ہوتا ہوں۔ آئندہ سال کے لئے بزموں کی تشکیل جدید قواعد کے مطابق ہوگی۔ اور ان کی رو سے جو فرائض ہمارے ذمے عائد ہوں گے انھیں بخوبی سرانجام دینے کی کوشش کی جائے گی۔ سال زیر نظر میں اگر ہمارے کام میں کوئی کمی یا کوتاہی ہو گئی ہو تو اس کے لئے میں جملہ احباب سے خواستگار عفو ہوں۔ ہم بہرحال اس میدان میں نو وارد ہیں اس لئے قرآنی فکر کی مزید روشنی اور ہمارا عملی تجربہ ہمارے اسقام اور نقائص کو دور کرتا جائے گا۔ اصل چیز اخلاص۔ دیانت اور محنت ہے اور اس کے ساتھ ہی قانون خداوندی کی موافقت۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام امور کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ والسلام۔

(حبیب الرحمٰن قنائی)

صدر مرکزی بزم طلوع اسلام۔ کراچی

باسمہ تعالیٰ

# پاکستان میں قانون سازی کا اصول

## (فکرِ اقبال کی روشنی میں)

محترم پرویز صاحب کی تقریر جو "بزمِ اقبال" لاہور کے زیرِ اہتمام جلسے میں، مؤرخہ ۲۶ اکتوبر کی شام، لاہور میں کی گئی۔

شائع کردہ:۔ ادارۂ طلوعِ اسلام۔ کراچی

# پاکستان میں قانون سازی کا اصول

## (فکرِ اقبال کی روشنی میں)

برادرانِ عزیز!

جیسا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے پاکستان کے مطالبہ سے مقصود یہ تھا کہ ہمیں ایک ایسا خطۂ زمین مل جائے جس میں ہم اپنے تصورات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں۔ جب یہ خطۂ زمین مل گیا تو پہلا سوال یہ سامنے آیا کہ اس کے لئے آئین (کانسٹی ٹیوشن) مرتب کیا جائے۔ اس لئے کہ آئین اُن تصورات کا آئینہ دار ہوتا ہے جن کے مطابق کوئی قوم اپنی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے۔ اسی کو مملکت کی پالیسی، یعنی منہاج و مسلک کہتے ہیں۔ اسی سے اُس کے نصب العین اور آخری منزل کا تعین ہوتا ہے۔ یہی اس کی تقدیر (Destiny) کی نشاندہی کرتا ہے۔ نو سال کے طول و طویل عرصے کے بعد ہمارا یہ آئین مرتب ہوا۔ چونکہ اس وقت میرے پیشِ نظر اس آئین کا تجزیہ نہیں اس لئے میں یہ بحث نہیں چھیڑنا چاہتا کہ یہ آئین فی الواقع ہمارے تصوراتِ زندگی کا مظہر ہے یا نہیں۔ اس پر تفصیلی تنقید طلوعِ اسلام میں شائع ہو چکی ہے۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ کسی طرح اسلامی معیار پر پورا نہیں اترتا۔

جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے آئین میں صرف اصول دیئے جاتے ہیں۔ ان اصولوں کی روشنی میں قوانین مرتب کئے جاتے ہیں جن سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ میں ایسا نظم و ضبط قائم رکھا جائے جس سے مملکت کو اپنی منزل اور منتہیٰ تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ قوانین درحقیقت وہ پابندیاں ہوتی ہیں جو مختلف افراد اور گروہوں کے باہمی تصادم کو روکنے کے لئے عائد کی جاتی ہیں تاکہ افرادِ معاشرہ اپنے مقصودِ حیات تک آزادانہ بلا خوف و خطر پہنچ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے قوانین کو "حدود اللہ" سے تعبیر کیا ہے یعنی وہ حدود جن کے اندر رہتے ہوئے افراد کو فکر و عمل کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ اس وقت مملکتِ پاکستان کے سامنے قانون سازی کا مرحلہ ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ قوانین کن اصولوں کی روشنی میں مرتب کئے جائیں۔ یعنی ان کے لئے Guiding factor) کیا ہونا چاہیئے۔

ہم نے اوپر دیکھا ہے کہ کسی مملکت کے قوانین درحقیقت ان تصورات کو بروئے کار لانے کا ذریعہ ہوتے ہیں، جن کے مطابق وہ

قوم اپنی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے۔ لہٰذا قوانین کی تدوین کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس بنیادی تصورِ حیات (آئیڈیولوجی) کو دیکھا جائے جسے اس قوم یا مملکت نے اپنے لئے اختیار کر رکھا ہے۔

---

آپ خارجی کائنات پر غور کیجئے۔ اس میں ہر چیز میں ہر آن کوئی نہ کوئی تغیر واقع ہوتا رہتا ہے يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (۵۵/۲۹) کائنات کی ہر شے اپنی زیست اور نشوونما کے لئے ربوبیت خداوندی کی محتاج ہے۔ لیکن ان کی نشوونما کے تقاضے ہر آن بدلتے رہتے ہیں۔ یہی وہ ہر آن کا تغیر (Change) ہے جس کے متعلق اقبال نے کہا تھا کہ ـــــ ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں۔

## خارجی کائنات کا نظام

مادی تصورِ حیات (یعنی Materialistic Concept Of Life جس کی مظہر مغرب کی تہذیب ہے) کی رُو سے انسان بھی دیگر اشیائے کائنات کی طرح ایک مادی تخلیق ہے۔ اور اس کے تقاضے اس کے جسم کے تقاضے ہیں۔ انسانی جسم کچھ عرصے کے بعد مضمحل ہو کر بے جان لاش بن جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ انسان کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ انسانی جسم (یعنی طبعی زندگی (Physical Life) کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے انسان کے پاس عقل موجود ہے۔ عقل کی رُو سے ایسے قوانین مرتب کئے جا سکتے ہیں جو انسانی معاشرہ میں نظم و ضبط قائم رکھیں۔ اور عقل ہی کی رُو سے ان میں تبدیلیاں بھی کی جا سکتی ہیں۔ یعنی جس طرح انسان میں کوئی شے غیر متبدل نہیں اسی طرح ان قوانین میں بھی کوئی عنصر غیر متبدل نہیں جو انسانی زندگی کو (Regulate) کرنے کے لئے بنائے جائیں (جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے) اس تصور کو مادی تصورِ حیات کہتے ہیں اور اس اندازِ تقنین (قانون سازی) کو سیکولر (Secular)۔

## مادی نظریہ حیات

اس کے برعکس اسلام کا تصورِ حیات یہ ہے کہ انسان عبارت ہے جسم اور ذات (Personality) سے۔ اس کا جسم دیگر اشیائے کائنات کی طرح قوانینِ طبعی کے مطابق نشوونما پاتا اور زندہ رہتا ہے اس میں ہر آن تغیر ہوتا رہتا ہے۔ ایسا تغیر کہ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ ہر سات سال کے بعد انسان کا سابقہ جسم کلیۃً ایک نئے جسم میں تبدیل ہو جاتا ہے لیکن انسانی ذات کہ جسے قرآن روحِ خداوندی (Divine Energy) کہہ کر پکارتا ہے غیر متبدل ہے۔ وہ شروع سے آخر تک ایک ہی رہتی ہے۔ اس میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ جسم کی طبعی موت بھی اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتی۔ یہ اس کے بعد بھی زندہ رہتی اور آگے بڑھتی ہے۔ انسان کی طبعی زندگی سے مقصد اس ذات کی نشوونما ہے۔ کامیاب زندگی وہی کہلا سکتی ہے جس میں انسانی ذات کی نمود اور بالیدگی ہو جائے۔

## اسلامی تصورِ حیات

زندگانی ہے صدف قطرۂ نیساں ہے خودی ۔ وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گہر کر نہ سکے

ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

لہٰذا انسان عبارت ہے ثبات و تغیر سے۔ یہ (Permanence and change) دونوں کا مظہر ہے۔ علامہ اقبال

اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

> اسلام کا پیش کردہ تصور یہ ہے کہ حیاتِ کلی کی روحانی اساس ازلی وابدی ہے لیکن اس کی نمود تغیر و تنوع کے پیکروں میں ہوتی ہے۔ جو معاشرہ حقیقتِ مطلقہ کے متعلق اس قسم کے تصور پر متشکل ہو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اپنی زندگی میں مستقل اور تغیر پذیر عناصر میں تطابق و توافق پیدا کرے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس اپنی اجتماعی زندگی کے نظم وضبط کے لئے مستقل اور ابدی اصول ہوں۔......
>
> لیکن اگر ان ابدی اصولوں کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ ان کے دائرے کے اندر تغیر کا امکان ہی نہیں.... تو کہ زندگی جو اپنی فطرت میں متحرک واقع ہوئی ہے یکسر جامد و متصلب بن کر رہ جائے گی۔
>
> (تشکیل الٰہیات جدیدہ ۔ خطبہ ششم)

جہاں تک تغیر کا تعلق ہے اس سے متعلق قوانین عقل کی رُو سے مرتب کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن ثبات (Permanence) سے متعلق قوانین عقل کی رُو سے نہیں مل سکتے۔ یہ عقل کے بس کی بات نہیں۔ یہ قوانین وحی کی رُو سے ملتے ہیں۔ انہیں مستقل اقدار (Permanent Values) یا کلمات اللہ یا سنت اللہ کہا جاتا ہے۔ عقل کی رُو سے مرتب کردہ ضوابط میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ لیکن مستقل اقدار میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ (۱۰/۶۴)۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا (۳۳/۶۲)

لیکن انسانی جسم اور اس کی ذات کو الگ الگ شعبوں (Compartments) میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ثبات اور تغیر سے متعلق قوانین و ضوابط بھی ایک دوسرے سے غیر متعلق اور الگ تھلگ نہیں رہ سکتے۔ انسانی عقل اگر وحی (کلمات اللہ) کی راہ نمائی میں کام کرے تو اس طریق سے وہ قوانین مرتب کئے جا سکتے ہیں۔ جن کا اطلاق انسان پر تمام (Man as a whole) پر کیا جا سکتا ہے اور جن کے مطابق زندگی بسر کرنے سے اس کے جسم اور ذات دونوں کے تقاضے پورے ہوتے چلے جاتے ہیں۔

## وحی کی راہ نمائی کا اصول

جس وقت سے انسان نے تمدنی زندگی بسر کرنا شروع کی ہے اسے وحی کی راہ نمائی ملتی چلی آ رہی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ابتدائی دور میں انسان میں علم و تجربہ کی کمی تھی۔ اس لئے اس کی عقل نے پختگی نہیں اختیار کی تھی۔ اُس زمانے میں وحی کا انداز یہ تھا کہ مستقل اقدار کے ساتھ ساتھ وہ تغیر پذیر قوانین بھی وحی ہی کی رو سے دے دیئے جاتے تھے جنہیں سنِ شعور میں پہنچنے کے بعد عقل خود وضع کر سکتی تھی۔ مثلاً جب انسان کو پہلے پہل کشتی بنانے کی ضرورت لاحق ہوئی تو اس کا طریق بھی وحی ہی کو بتانا پڑا۔ چنانچہ قصۂ حضرت نوحؑ کے ضمن میں قرآن میں ہے کہ فَاَوْحَیْنَآ اِلَیْہِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا (۱۱/۳۷) ہم نے اس کی (نوحؑ کی) طرف وحی بھیجی کہ وہ ہماری زیرِ نگرانی ہماری وحی کے مطابق کشتی بنائے۔ جوں جوں عقلِ انسانی میں پختگی آتی گئی۔ ان تغیر اشنا تفاصیل میں کمی ہوتی گئی۔ لیکن مستقل اقدار بدستور اپنی جگہ قائم رہیں۔ یہ اقدار یا کلمات اللہ آخری مرتبہ قرآن کے اندر محفوظ کر کے دیدیئے گئے۔ اور ان کی روشنی میں جزئی قوانین کے متعلق کہدیا گیا کہ وہ باہمی مشاورت سے مرتب کئے جایا کریں۔ چنانچہ خود نبی اکرمؐ سے ارشاد ہوا کہ شَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ (۳/۱۵۸) اور حضورؐ کے بعد جس منہاج پر امت نے چلنا تھا اُسے

کے متعلق کہا گیا کہ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (۴۲/۳۸) اس اجمال کی تفصیل ذرا آگے چل کر آئے گی۔

---

تصریحات بالا سے یہ حقیقت ہمارے سامنے آگئی کہ اسلام کی رُو سے، انسانی زندگی عبارت ہے ثبات اور تغیر سے، اس لئے جن قوانین کے تابع انسان کو (اسلامی انداز کی) زندگی بسر کرنی ہوگی وہ بھی ثبات اور تغیر کے مظہر ہوں گے۔ سوال یہ ہے کہ ان قوانین میں کونسا عنصر غیر متبدل رہے گا اور کون سے اجزاء ایسے ہوں گے جن میں حالات کے تقاضے سے تبدیلی کی جا سکے گی۔ یہی ہے وہ اصل سوال جو اس ضمن میں ساری بحث کا نقطۂ ماسکہ ہے۔ اور جس کے صحیح حل پر اسلامی قوانین کی تدوین کا دار و مدار ہے۔ لہٰذا اس سوال کی اہمیت ظاہر ہے۔ اس ضمن میں ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس وقت پاکستان میں جو مختلف گروہ (یا مکاتب فکر) ہیں ان کا اس باب میں کیا عقیدہ یا خیال ہے۔ (واضح رہے کہ ہم اس وقت ان مختلف مکاتب فکر کے عقائد یا خیالات پر کسی قسم کی تنقید نہیں کرنا چاہتا۔ میں صرف انہیں علیٰ حالہٖ پیش کر دینا چاہتا ہوں)

**فقہی مسلک**

پاکستان میں ایک گروہ وہ ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ ایک اسلامی مملکت کو جس قدر قوانین کی ضرورت ہے وہ سب کے سب ہماری فقہ کے اندر آ چکے ہیں۔ اور ان میں کسی قسم کا رد و بدل نہیں کیا جا سکتا۔ مملکت کا فریضہ قانون سازی نہیں۔ اس کا کام یہ ہے کہ جو سوال سامنے آئے، اس کے متعلق علمائے فقہ سے پوچھ لے کہ اس کی بابت فیصلہ کیا ہے اور اس کے بعد اس فیصلہ کو ملک میں نافذ کر دے۔ چنانچہ (فسادات پنجاب کے سلسلہ میں) جسٹس منیر کی عدالت میں اسی مکتب فکر کے ایک نمائندہ نے اس مسلک کو پیش کیا تھا۔ جس پر جسٹس موصوف نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ اگر صورت حال یہ ہے تو پھر مملکت پاکستان کو کسی لیجسلیٹو اسمبلی کی ضرورت ہی نہیں۔ اسے صرف ہیئت مجریہ Executive Machinery کی ضرورت ہے۔

ان کے برعکس ایک گروہ ایسا ہے جو اس مسلک کو "بے روح مذہبیت" قرار دیتا اور کہتا ہے کہ اس میں

> اسلامی شریعت کو ایک منجمد شاستر بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اس میں صدیوں سے اجتہاد کا دروازہ بند ہے جس کی وجہ سے اسلام ایک زندہ تحریک کے بجائے محض عہد گذشتہ کی ایک تاریخی تحریک بن کر رہ گیا ہے۔
>
> (سیاسی کشمکش حصہ سوم۔ ابوالاعلیٰ صاحب مودودی) رسالہ ترجمان القرآن محرم ۱۳۶۰ھ ص ۳۶

اس گروہ کا کہنا یہ ہے کہ

> مجتہد خواہ کتنا ہی باکمال ہو زمان اور مکان کے تعینات سے بالکل آزاد نہیں ہو سکتا۔ اس کی نظر تمام ازمنہ و احوال پر وسیع ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس کے تمام اجتہادات کا تمام زمانوں اور تمام حالات کے مطابق ہونا غیر ممکن ہے۔ (تفہیمات حصہ دوم ص ۲۳۶۔ از مودودی صاحب)

اس مکتب فکر (یعنی فقہی فیصلوں کو ناقابل تغیر سمجھنے والوں) کے متعلق، علامہ اقبال نے اپنے خطبہ میں (جس کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے)

بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔ وہ اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

> سُنّی حضرات نظری طور پر تو اس کے قائل ہیں کہ اس قسم کا اجتہاد (یعنی اجتہادِ مطلق) ممکن ہے، لیکن ائمۂ فقہ کے مذاہب کے قیام کے بعد عملاً اس کا دروازہ بند ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کے اجتہاد کے لئے جن شرائط کو ضروری قرار دیا جاتا ہے ان کا پورا کرنا کسی ایک فرد کے لئے قریب قریب ناممکن ہے۔ ایک ایسے نظامِ شریعت میں جس کی بنیاد قرآن پر ہو۔ جو زندگی کے متعلق حرکیاتی اور ارتقائی تصور کا علمبردار ہے اس قسم کی ذہنیت کچھ عجیب سی دکھائی دیتی ہے۔

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

> آیئے۔ اب ایک نظر ان اصولوں پر ڈالیں جو قرآن نے قانون سازی کے سلسلہ میں دیئے ہیں۔ ان پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ان اصولوں کی رو سے یہ قطعاً نہیں ہوتا کہ انسانی فکر سلب ہو جائے اور قانون سازی کے لئے کوئی میدان ہی نہ رہے۔ اس کے برعکس ان اصولوں میں جس قدر وسعت رکھی گئی ہے اس سے انسانی فکر بیدار ہوتی ہے۔ یہی وہ اصول تھے جن کی راہ نمائی میں ہمارے قدیم فقہاء نے قانونِ شرعی کے متعدد نظام (سسٹم) مرتب کئے اور تاریخ اسلام کا طالب علم اس حقیقت سے واقف ہے کہ سیاسی اور معاشرتی نظامِ زندگی کی حیثیت سے اسلام کو جو اس قدر کامیابی حاصل ہوئی تو اس کا کم از کم آدھا حصہ انہی فقہا کی باریک نظری کا رہینِ منت تھا...... لیکن اس تمام ہمہ گیری کے باوجود یہ قانونی ضوابط بالآخر انفرادی تعبیرات کا مجموعہ ہیں۔ اس لئے انہیں حتمی اور قطعی سمجھ لینا غلط ہے۔ مجھے اس کا علم ہے کہ علمائے اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے مشہور مذاہب اپنی اپنی جگہ مکمل اور مختتم ہیں۔ لیکن نظری طور پر اجتہادِ مطلق کے امکان سے انہیں کبھی بھی انکار نہیں ہوا۔ میں نے پچھلے صفحات میں ان اسباب و علل سے بحث کی ہے جو علماء کی اس ذہنیت کا موجب بنے۔ لیکن چونکہ اب حالات بدل چکے ہیں اور دنیائے اسلام ان تمام نئی نئی قوتوں سے دوچار اور متاثر ہے جو زندگی کے مختلف گوشوں میں فکرِ انسانی کی نشوو ارتقاء سے وجود میں آگئی ہیں۔ اس لئے مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اس قدامت پرستانہ ذہنیت کو باقی رکھا جائے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا ان مذاہب فقہ کے بانیوں میں سے کسی نے بھی اپنی تعبیرات و تاویلات کو کبھی قطعی۔ کہاں اور ہو دخطلے مبری سمجھا؟ کبھی نہیں۔ اس لئے اگر دورِ حاضرہ کے اعتدال پسند مسلمان زمانے کے بدلے ہوئے حالات اور اپنے تجربہ کی روشنی میں فقہ کے اصولِ اساسی کی نئی تعبیرات کرنا چاہتے ہیں تو ان کا یہ طرزِ عمل میرے خیال میں بالکل بجا اور درست ہے۔ خود قرآن کی یہ تعلیم کہ حیات ایک ترقی پذیر عمل ارتقاء ہے اس کی مقتضی ہے کہ ہر نئی نسل کو اس کا حق ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی مشکلات کا حل خود تلاش کرے۔ وہ ایسا

کرنے میں سلف کے علمی سرمایہ سے راہ نمائی لے سکتے ہیں۔ لیکن اسلاف کے فیصلے ان کے راستے میں روک نہیں بن سکتے۔

یہی اس باب میں برادران! میرا بھی مسلک ہے۔

---

اب آگے بڑھیئے۔

## اہلِ حدیث کا مسلک

ایک اور مکتبِ فکر ہے جس کا کہنا یہ ہے کہ فقہ نہیں بلکہ احادیث نبوی میں جو کچھ آگیا ہے وہ غیر متبدل ہے۔ اسے جوں کا توں نافذ کیا جانا چاہیئے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ

> تحقیق و تثبیت کے بعد حدیث کا ٹھیک وہی مقام ہے جو قرآن عزیز کا ہے اور فی الحقیقت اس کے انکار کا ایمان و دیانت پر بالکل وہی اثر پڑتا ہے جو قرآن عزیز کے انکار کا...... قرآن اختلاف تاویل کے باوجود خدا کا کلام ہے اور شرعاً حجت۔ اسی طرح حدیث تحقیق و تثبیت کے باوجود خدا کی طرف سے وحی ہے اور دین میں قرآن کے بعد حجت۔

(جماعت اسلامی کا نظریۂ حدیث۔ مولانا محمد اسمٰعیل السلفی صاحب۔ صلا)

اس اقتباس میں کہا گیا ہے کہ حدیث "قرآن کے بعد حجت" ہے۔ لیکن اس کی وضاحت میں وہ کہتے ہیں کہ یہ بات کہ حدیث کا درجہ قرآن کے بعد ہے اصولی حد تک درست ہے۔ جہاں تک استدلال اور اخذِ مسائل کا تعلق ہے

> ہمارے نزدیک حدیث وحی ہے اور اسی طرح آنحضرتؐ کو اس کا علم دیا گیا ہے جیسے قرآن کا..... جبریل قرآن اور سنت دونوں کو لے کر نازل ہوتے اور آنحضرتؐ کو سنت بھی قرآن کی طرح سکھاتے۔ اس لحاظ سے ہم وحی میں تفریق کے قائل نہیں۔ قرآن اور حدیث دونوں ماخذ ہیں اور بیک وقت ماخذ ہیں۔ (ایضاً ۲۰)

احادیث کے مجموعوں میں سے، صحیحین (یعنی بخاری اور مسلم) کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ

> امت نے صحیحین کی متفقہ روایات کو اجماعاً قبول فرمایا۔ ان احادیث کی صحت قطعی ہے (ایضاً مدہ)

## ان کے خلاف

لیکن اس کے برعکس دوسرا مکتبِ خیال ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ

> احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچتی ہوئی آئی ہیں جن سے حد سے حد اگر کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو وہ گمانِ صحت ہے نہ کہ علمِ یقین۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس خطرہ میں ڈالنا ہرگز پسند نہیں کر سکتا کہ جو امور اس کے دین میں اتنے اہم ہوں کہ ان سے کفر و ایمان کا فرق واقع ہوتا ہو انہیں صرف چند آدمیوں کی روایت پر منحصر کر دیا جائے۔

(رسائل و مسائل۔ ابوالاعلیٰ صاحب مودودی صلا)

اسی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ

یہ مواد اس حد تک قابلِ اعتماد ضرور ہے کہ سنتِ نبوی اور آثار صحابہ کی تحقیق میں اس سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب خیال کیا جائے۔ مگر اس قابل نہیں کہ بالکل اسی پر اعتماد کر لیا جائے۔

(تفہیمات۔ حصہ اول۔ صفحہ ۳۲۲۔ مودودی صاحب)

امام بخاری کے مجموعۂ احادیث کے متعلق ان کا کہنا یہ ہے کہ

یہ دعوےٰ کرنا صحیح نہیں ہے کہ بخاری میں جتنی احادیث درج ہیں ان کے مضامین کو بھی جوں کا توں بلا تنقید قبول کر لینا چاہیئے۔ (ترجمان القرآن۔ بابت۔ اکتوبر۔ نومبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۱۱)

جن احادیث کو یہ حضرات صحیح مانتے ہیں انہیں بھی دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک وہ جن کے احکام میں رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری وہ جن میں اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔ ان کے اپنے الفاظ ہیں۔

اب رہ گئے احکام۔ تو قرآن مجید میں ان کے متعلق زیادہ تر کلی قوانین بیان کئے گئے ہیں اور بیشتر امور میں تفصیلات کو چھوڑ دیا گیا ہے؎۔ نبی نے عملاً ان احکام کو زندگی کے معاملات میں جاری فرمایا اور اپنے عمل اور قول سے ان کی تفصیلات ظاہر فرمائیں۔ ان تفصیلات میں سے بعض ایسی ہیں جن میں ہمارے اجتہاد کو کوئی دخل نہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ جیسا عمل حضور سے ثابت ہے اس کی پیروی کریں۔ مثلاً عبادات کے احکام۔ اور بعض تفاصیل ایسی ہیں کہ ان سے ہم اصول کو اخذ کر کے اپنے اجتہاد سے فروع مستنبط کر سکتے ہیں۔ مثلاً عہدِ نبوی کے قوانین مدنی۔ (تفہیمات حصہ اول۔ صفحہ ۳۳-۳۳۲)

چونکہ اس وقت زیرِ غور مسئلہ کا تعلق قوانین مدنی سے ہے۔ اس لئے مندرجہ بالا اقتباس کی رو سے) اس بارے میں ان حضرات کا مسلک یہ ہے کہ جو مدنی قوانین رسول اللہؐ نے مرتب فرمائے تھے۔ ان سے اصول اخذ کر کے ہم اپنے اجتہاد سے فروع مستنبط کر سکتے ہیں۔

اسی عقیدہ کی وضاحت دوسرے مقام پر ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے کہ شارع نے غایت درجہ کی حکمت اور کمال درجہ کے علم سے کام لے کر اپنے احکام کی بجا آوری کے لئے زیادہ تر ایسی ہی صورتیں تجویز کی ہیں جو تمام زمانوں اور تمام حالات میں اس کے مقصد کو پورا کرتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بکثرت جزئیات ایسے بھی ہیں جن میں تغیرِ حالات

---

؎ واضح رہے کہ ہمارے ہاں ایک مختصر سا گروہ ایسا بھی ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن میں جملہ تفاصیل بھی دیدی گئی ہیں۔ اس لئے ہمیں کسی تفصیل کے مرتب کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ اپنے آپ کو اہل الذکر یا اہل القرآن کہتے ہیں۔ مجھے ان سے اختلاف ہے۔

> کے لحاظ سے احکام میں تغیر ہونا ضروری ہے۔ جو حالات عہد رسالت اور عہد صحابہ میں عرب اور دنیائے اسلام کے تھے لازم نہیں کہ بعینہٖ وہی حالات ہر زمانے اور ہر ملک کے ہوں۔ لہٰذا احکام اسلامی پر عمل کرنے کی جو صورتیں ان حالات میں اختیار کی گئی تھیں، ان کی جوں بجوں تمام زمانوں میں تمام حالات میں قائم رکھنا اور مصالح و حکم کے لحاظ سے ان کی جزئیات میں کسی قسم کا رد و بدل نہ کرنا ایک طرح کی رسم پرستی ہے جس کو روح اسلامی سے کوئی علاقہ نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پس معلوم ہوا کہ جزئیات میں دلالت النص اور اشارۃ النص تو ایک طرف، صراحۃ النص کی پیروی بھی تفقہ کے بغیر درست نہیں ہوتی۔ اور تفقہ کا اقتضا یہ ہے کہ انسان ہر مسئلہ میں شارع کے مقاصد و مصالح پر نظر رکھے اور انہی کے لحاظ سے جزئیات میں تغیر احوال کے ساتھ ایسا تغیر کرتا ہے جو شارع کے اصول تشریع پر مبنی اور اس کے طرز عمل سے اقرب ہو۔
>
> (تفہیمات حصہ دوم۔ صفحہ ۳۲-۳۲۷)

یہ مسلک یا عقیدہ نیا نہیں بلکہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ علامہ اقبالؒ نے خطبہ ششم میں جن کے حوالے پہلے دیئے جا چکے ہیں کہا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا یہی مسلک تھا اور اسی کے مؤید خود علامہ اقبال تھے۔ وہ اس باب میں لکھتے ہیں۔

> احادیث کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کی حیثیت قانونی ہے اور دوسری وہ جو قانونی حیثیت نہیں رکھتیں اول الذکر کے بارے میں ایک بڑا اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس حد تک ان رسوم و رواج پر مشتمل ہیں جو اسلام سے پہلے عرب میں رائج تھے اور جن میں سے بعض کو رسول اللہ صلعم نے علی حالہ رکھا اور بعض میں ترمیم فرما دی۔ بیچ یہ مشکل ہے کہ ان چیزوں کو پورے طور پر معلوم کیا جا سکے کیونکہ ہمارے متقدمین نے اپنی تصانیف میں زمانہ قبل از اسلام کے رسوم و رواج کا زیادہ ذکر نہیں کیا۔ نہ ہی یہ معلوم کرنا ممکن ہے کہ جن رسوم و رواج کو رسول اللہؐ نے علی حالہ رکھا (خواہ ان کے لئے واضح طور پر حکم دیا ہو یا ویسے ہی ان کا استصواب فرما دیا ہو) انھیں ہمیشہ کے لئے نافذ العمل رکھنا مقصود تھا۔ اس موضوع پر شاہ ولی اللہؒ نے بڑی عمدہ بحث کی ہے جس کا خلاصہ میں یہاں بیان کرتا ہوں۔ شاہ صاحبؒ نے کہا ہے کہ پیغمبرانہ طریق تعلیم یہ ہوتا ہے کہ رسول کے احکام ان لوگوں کے عادات و اطوار اور رسوم و رواج کو خاص طور پر ملحوظ رکھتے ہیں جو اس کے اولین مخاطب ہوتے ہیں۔ پیغمبری تعلیم کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ عالمگیر اصول عطا کرے۔ لیکن نہ تو مختلف قوموں کے لئے مختلف اصول دیئے جا سکتے ہیں اور نہ ہی انھیں کسی اصول کے چھوڑا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے مسلک زندگی کے لئے جس قسم کے اصول چاہیں وضع کریں۔ لہٰذا پیغمبر کا طریق یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک خاص قوم کو تیار کرتا ہے۔ اور انھیں ایک عالمگیر شریعت کے لئے بطور خمیر استعمال کرتا ہے۔ اس مقصد کے لئے

وہ ان اصولوں پر زور دیتا ہے جو تمام نوعِ انسانی کی معاشرتی زندگی کو اپنے سامنے رکھتے ہیں لیکن ان اصولوں کا نفاذ اس قوم کے حالات و خصائل کی روشنی میں کرتا ہے جو اُس وقت اُس کے سامنے ہوتی ہے اس طریق کار کی رو سے رسول کے احکام اُس قوم کے لئے خاص ہوتے ہیں اور چونکہ ان احکام کی ادائیگی بجائے خویش مقصود بالذات نہیں ہوتی۔ انہیں آنے والی نسلوں پر من و عن نافذ نہیں کیا جا سکتا غالباً یہی وجہ تھی کہ امام اعظم ابو حنیفہ نے جو اسلام کی عالمگیریت کی خاص بصیرت رکھتے تھے اپنے فقہ کی تدوین میں حدیثوں سے کام نہیں لیا۔ انہوں نے تدوین فقہ میں استحسان کا اصول وضع کیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ قانون وضع کرتے وقت اپنے زمانے کے تقاضوں کو سامنے رکھنا چاہیئے۔ اس سے احادیث کے متعلق ان کے نقطۂ نظر کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے تدوین فقہ میں احادیث سے اس لئے کام نہیں لیا کہ اُن کے زمانے میں احادیث کے کوئی باضابطہ مجموعے مرتب نہیں ہوئے تھے۔ اول تو یہ کہنا ہی درست نہیں کہ ان کے زمانے میں احادیث کے مجموعے موجود نہیں تھے۔ امام مالک اور زہری کے مجموعے ان کی وفات سے قریب تیس سال پہلے مرتب ہو چکے تھے۔ لیکن اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ مجموعے امام صاحب تک پہنچ نہیں پائے تھے یا ان میں قانونی حیثیت کی احادیث موجود نہیں تھیں۔ تو اگر امام صاحب اس کی ضرورت سمجھتے تو وہ احادیث کا اپنا مجموعہ مرتب فرما سکتے تھے۔ جیسا کہ امام مالک اور ان کے بعد امام احمد بن حنبل رحمہ نے کیا تھا۔ ان حالات کی روشنی میں، میں بھی یہ سمجھتا ہوں کہ ان احادیث کے متعلق جن کی حیثیت قانونی ہے امام ابو حنیفہ کا یہ طرز عمل بالکل معقول اور مناسب تھا اور اگر آج کوئی وسیع النظر مقنن یہ کہتا ہے کہ احادیث ہمارے لئے من و عن شریعت کے احکام نہیں بن سکتیں تو اس کا یہ طرز عمل امام ابو حنیفہ کے طرز عمل کے ہم آہنگ ہو گا جن کا شمار فقہ اسلامی کے بلند ترین مقننین میں ہوتا ہے۔ (خطبات اقبال صفحہ ۱۶۴ - ۱۶۳)

## قرآنی دلائل

اپنے اس مسلک کی تائید میں ان حضرات کے پاس قرآنی دلائل و بینات ہیں جنھیں میں اس سے پہلے کئی بار تفصیلاً پیش کر چکا ہوں۔ ان کا ملخص (Summery) حسب ذیل ہے۔

(۱) اسلام میں اصلاً و اساساً اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی ہے جو کتاب اللہ کے اندر مذکور ہیں۔ سورۂ انعام میں ہے۔

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا (۶/۱۱۵)

کیا میں نے (یعنی رسول اللہ) خدا کے سوا کسی اور کو حاکم بنالوں۔ حالانکہ اس نے تمہاری طرف کتاب نازل کر دی ہے جو ہر بات کو نکھار کر بیان کر دیتی ہے۔

(۲) جو اس کے مطابق فیصلے نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ (۵/۴۴)

جو اس کے مطابق فیصلے نہیں کرتا جو خدا نے نازل کیا ہے تو یہی لوگ کافر ہیں

(۳) لیکن خدا کی یہ اطاعت انفرادی طور پر نہیں ہو سکتی۔ یہ نہیں کہ ہر شخص اپنے سامنے قرآن رکھ لے اور جس طرح اس کا جی چاہے اس کی اطاعت کرتا ہے۔ یہ اطاعت اجتماعی حیثیت سے ایک نظام کے تابع ہو گی جس کا مرکز اول رسول کی ذات تھی۔ لہٰذا اللہ کی اطاعت بواسطہ رسول کے ہوتی تھی۔ سورۂ نسا میں ہے

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ (۴/۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔

رسول کے لئے ضروری تھا کہ وہ ہر معاملہ کا فیصلہ قرآن کی رو سے کرتا۔ سورۂ مائدہ میں ہے۔

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ (۵/۴۸)

(۴) لیکن کتاب اللہ کی صورت یہ ہے کہ اس میں (بجز چند مستثنیات) عام طور پر اصولی قوانین دیئے گئے ہیں۔ ان قوانین کی جزئیات متعین نہیں کی گئیں۔ یہ اصولی احکام مکمل اور غیر متبدل ہیں۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (۶/۱۱۶) "تیرے رب کے قوانین صدق و عدل کے ساتھ مکمل ہو گئے۔ ان میں تبدیلی کرنے والا کوئی نہیں۔

(۵) ان جزئیات کو غیر متعین اس لئے چھوڑا گیا ہے کہ اگر انہیں بھی وحی کی رو سے متعین کر دیا جاتا تو یہ بھی ہمیشہ کے لئے غیر متبدل ہو جاتیں۔ ان کا غیر متبدل رکھنا منشائے خداوندی نہیں تھا چنانچہ سورۂ مائدہ میں ہے۔

يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ
تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ
عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (۵/۱۰۱)

اے ایمان والو! تم ایسی باتیں نہ پوچھا کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار گذریں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب تم ان کے متعلق ایسے وقت میں پوچھو گے جب قرآن نازل ہو رہا ہے تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ (بہر حال۔ اب تک جو کچھ تم کر چکے ہو) اللہ اس سے درگذر کرتا ہے۔ اللہ غفور و حلیم ہے۔

اس سے آگے ہے۔

قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوْا بِهَا كَافِرِيْنَ۔ (۵/۱۰۲)

تم سے پہلے ایک قوم (بنی اسرائیل) نے اس قسم کی باتیں (کرید کرید کر) پوچھی تھیں۔ اس کا نتیجہ

یہ نکلا کہ انھوں نے (کچھ وقت کے بعد) ان سے صاف انکار کر دیا (اور سرکشی برتنے لگے)

اس آیت کی تفسیر میں نبی اکرمؐ کی ایک حدیث نقل کی جاتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ

إِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا وَحَدَّ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوا عَنْهَا۔

اللہ نے کچھ باتوں کو فرض قرار دیا ہے۔ انھیں ضائع مت کرو۔ کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ ان کے پاس تک نہ پھٹکو۔ کچھ حدود متعین کی ہیں ان سے تجاوز مت کرو۔ اور باقی چیزوں کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے ان کے متعلق کرید مت کرو۔ یاد رکھو جن چیزوں کے متعلق اللہ نے خاموشی اختیار کی ہے اس نے دانستہ ایسا کیا ہے۔ یہ نہیں ہوا کہ اس سے (معاذ اللہ) بھول ہو گئی ہے۔

(۴) اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن میں بیان کردہ غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں اُن جزئیات کو کس طرح مرتب کیا جائے جنھیں قرآن نے دانستہ غیر متعین چھوڑ دیا ہے۔ ان کے متعلق نبی اکرمؐ کو حکم دیا گیا تھا کہ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (۳/۱۵۸) تم معاملات میں ان (جماعت مومنین) سے مشورہ کیا کرو۔ اس حکم کے ماتحت یہ غیر متعین جزئیات باہمی مشاورت سے طے پاتی تھیں۔ کتب روایات و سیر میں کئی واقعات مذکور ہیں جن سے ظاہر ہے کہ حضورؐ صحابہؓ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ مثلاً

**باہمی مشاورت**

قرآن میں ہے إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ ..... (۶۲/۹) جب تمہیں صلوٰۃ جمعہ کے لئے پکارا جائے..... اس میں صلوٰۃ کے لئے پکارنے کا ذکر تو ہے لیکن قرآن نے پکارنے کے طریقہ کو متعین نہیں کیا۔ اب دیکھئے کہ اذان کس طرح سے متعین ہوئی تھی۔ مشکوٰۃ۔ کتاب الاذان میں ہے۔

عبداللہ بن زید ابن عبدربہ نے کہا کہ جب رسول اللہ نے ناقوس بجانے کا حکم دیا تاکہ اسے بجا کر لوگوں کو نماز کے لئے جمع کریں تو مجھ کو خواب میں ایک شخص دکھائی دیا۔ جس کے ہاتھ میں ناقوس تھا۔ پس میں نے خواب ہی میں اس سے پوچھا۔ اے اللہ کے بندے کیا فروخت کرتا ہے تو ناقوس کو؟ اس نے کہا تو ناقوس کا کیا کرے گا۔ میں نے کہا ہم اس سے لوگوں کو نماز کے لئے بلائیں گے۔ اس نے کہا کیا میں تجھ کو ایسی چیز نہ بتلا دوں جو اس سے بہتر ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا اللہ اکبر۔ اللہ اکبر الخ اور اسی طرح تکبیر۔ پس جب صبح ہوئی میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا خواب بیان کیا پس فرمایا آپ نے۔ تحقیق یہ خواب حق ہے۔ جو خدا چاہے۔ پس کھڑا ہو تو بلالؓ کے ساتھ اور جو خواب میں دیکھا ہے اس کو بتلا اور وہ اذان کہے۔ اس لئے کہ وہ بلند آواز ہے۔ پس کھڑا ہوا میں بلالؓ کے ساتھ اور اس کو اذان کے کلمے بتلانے لگا اور وہ اذان کہتے رہے۔ راوی کا بیان ہے کہ جب عمر

بن الخطاب نے اپنے گھر میں (اذان کی) آواز سنی تو چادر گھسیٹتے ہوئے گھر سے نکلے۔ اور رسول اللہ سے عرض کیا یا رسول اللہ۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ میں نے بھی ایسا ہی خواب میں دیکھا ہے جیسا کہ دکھایا گیا عبداللہ کو۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ پس خدا ہی کے لئے تعریف ہے۔ (ابوداؤد۔ داری۔ ابن ماجہ)

اس سے واضح ہے کہ جن جزئیات کا تعین کتاب اللہ میں نہیں ہوتا تھا، انہیں کس طرح متعین کیا جاتا تھا۔

(۷) یہ سلسلہ نبی اکرمؐ کی زندگی میں اسی طرح قائم رہا۔ اب سوال یہ سامنے آتا ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد اطاعت خداوندی کی کونسی صورت مقصود تھی۔ اس سلسلہ میں قرآن نے واضح طور پر بتا دیا کہ

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ...... (۳/۱۴۴)

محمد بجز اس نیست کہ اللہ کا ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ سو اگر یہ وفات پا جائے یا قتل کر دیا جائے تو کیا تم اس کے بعد پھر الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟

یعنی حضورؐ کے بعد اطاعت خداوندی کے اسی سلسلہ کو بدستور قائم رکھنا مقصود تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضورؐ کی وفات کے بعد صحابہؓ نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ اپنے میں سے ایک (حضرت ابوبکر صدیقؓ) کو حضورؐ کا جانشین (خلیفہ) منتخب کر لیا۔ جس طرح رسول اللہ (اس سے پہلے اللہ کی اطاعت کراتے تھے) اب خلیفۃ الرسول نے اسی طرح خدا کی اطاعت کرانا شروع کر دی۔ جس طرح اس سے پہلے رسول کی اطاعت سے عملاً خدا کی اطاعت ہوتی تھی، اسی طرح اب خلیفۃ الرسول کے فیصلوں کی اطاعت، خدا اور رسول کی اطاعت تھی۔ اسی کے لئے رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) تم پر میرے طریقے اور میرے خلفاء راشدین المہدیین کے طریقے کی پیروی لازمی ہے۔ جس طرح رسول اللہ کو حکم دیا گیا تھا کہ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (۳/۱۵۸) ان (مومنین) سے معاملات میں مشورہ کیا کرو۔ اسی طرح خلافت کے متعلق تھا کہ أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (۴۲/۳۸) ان کے معاملات باہمی مشوروں سے طے پائیں گے۔ اسی کو قرآن نے «سبیل المومنین» قرار دیا ہے (۴/۱۱۵) جسے چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

## خلافت راشدہ میں قانون سازی

(۸) اب سوال یہ سامنے آتا ہے کہ خلافت راشدہ (یا خلافت علیٰ منہاج رسالت) میں جزئیات کا تعین کس طرح سے ہوتا تھا۔ اس کے متعلق کتب روایات و آثار میں ایسی شہادات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی شکل یہ تھی کہ

## جزئیات میں تبدیلی

(۱) جن امور کی جزئیات پہلے متعین نہیں ہوئی تھیں۔ ان کی جزئیات متعین

کی جاتی تھیں۔ مثلاً شراب کی سزا نبی اکرمؐ کے زمانے میں مقرر نہیں ہوئی تھی (ایسا کوئی واقعہ ہی سامنے نہیں آیا ہوگا) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کی سزا چالیس کوڑے مقرر فرمائی (حضرت عمرؓ نے اسے اسی کوڑے کر دیا تھا)

(۲) جو جزئیات پہلے متعین ہو چکی تھیں اور ان میں کسی تغیر و تبدل کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی، انھیں علیٰ حالہٖ رہنے دیا جاتا تھا۔ ایک آئینی حکومت کا یہی انداز ہوتا ہے۔ اس میں سابقہ حکومت کے فیصلے بدستور نافذ العمل رہتے ہیں تاآنکہ تغیر حالات سے ان میں تبدیلی نہ کر دی جائے۔

(۳) جن جزئیات میں اقتضائے حالات کے مطابق، کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ ان میں تبدیلی کر دی جاتی تھی۔ اس لئے کہ یہ جزئیات ابتداءً بھی وحی کی رو سے متعین نہیں ہوئی تھیں کہ ان میں وحی ہی کوئی تبدیلی کر سکتی۔ اس کی متعدد مثالیں کتب روایات و آثار میں موجود ہیں مثلاً۔

(۱) نبی اکرمؐ نے جنگ کے قیدیوں کا فدیہ ایک دینار فی کس مقرر فرمایا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے مختلف ممالک میں مختلف شرحیں مقرر فرمائیں۔

(۲) نبی اکرمؐ نے زمین کی پیداوار کی مختلف اجناس کی شرح خراج بالتفصیل مقرر نہیں فرمائی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں ہر جنس سے متعلق خراج کی شرح (کہ فلاں جنس پر اتنا خراج ہوگا اور فلاں پر اتنا) متعین فرمائی۔

(۳) حضورؐ کے زمانے میں مؤلفۃ القلوب کو صدقات کی مد سے امداد دی جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اسے ختم کر دیا۔

(۴) نبی اکرمؐ کے زمانے میں بعض مفتوحہ زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تھیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اس سسٹم کو ختم کر دیا۔

(۵) رسول اللہؐ نے لوگوں کے وظائف مساوی مقرر فرمائے تھے۔ یہی طریق حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں بھی رائج رہا، لیکن حضرت عمرؓ نے انھیں خدمات کے تناسب سے بدل دیا۔

(۶) نبی اکرمؐ کے زمانہ میں تجارتی گھوڑوں اور سمندر سے برآمد شدہ چیزوں پر زکوٰۃ نہیں لی جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان پر زکوٰۃ قائم کی۔

(۷) حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ جنگ کے دوران میں کسی پر حد نہ جاری کی جائے۔ اور قحط کے زمانے میں چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

یہ چند واقعات محض بطور مثال درج کر دیئے گئے ہیں۔ انہی میں حضرت عمرؓ کی اولیات کو بھی شامل کر لیا جائے جن کی تعداد مورخین نے چالیس پچاس سے کم نہیں بتائی، تو ان کی تعداد اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ لیکن سوال تعداد

کا نہیں، اصل سوال تو یہ ہے کہ خلفائے راشدین میں اس اصول کو تسلیم کیا جاتا تھا کہ اگر زمانے کے تقاضے اس کے خواہاں ہوں تو نبی اکرمؐ کے زمانے کے فیصلوں میں مناسب رد و بدل کیا جا سکتا ہے۔ اور ایک خلیفہ کے فیصلے کو خلیفۂ ما بعد بھی بدل سکتا ہے۔ مثلاً حضرت عثمانؓ کے زمانے تک اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کا رواج تھا (اس کی اجازت قرآن میں موجود ہے) لیکن حضرت علیؓ نے بعض خدشات کے پیشِ نظر اسے بند کر دیا۔

(انہی میں تطلیقاتِ ثلاثہ کے واقعہ کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ جو آج تک مقلد اور غیر مقلد فرقوں میں بنائے نزاع چلا آرہا ہے)

بہر حال یہ ہیں وہ قرآنی دلائل اور کتبِ روایات و تاریخ کے شواہد جنہیں یہ گروہ اپنے مسلک کی تائید میں پیش کرتا ہے۔ یعنی اس مسلک کی تائید میں کہ غیر متبدل صرف قرآن کے قوانین ہیں اور ان کی روشنی میں مرتب کردہ جزئیات میں، خلافت علی منہاج رسالت، زمانے کے تقاضوں کے مطابق تبدیلی کر سکتی ہے۔ علامہ اقبالؒ کے خطبات کا جو اقتباس اوپر درج کیا جا چکا ہے۔ اس میں انہوں نے اس ضمن میں امام ابو حنیفہؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا نام خاص طور پر لیا ہے۔ امام اعظمؒ کے متعلق، خطیب بغدادی، اپنی تاریخ (جلد ۱۳، ص ۳۹۰) میں یوسف بن اسباط کے حوالے سے لکھتا ہے کہ

> ابو حنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ نبی صلعم مجھے پاتے اور میں آپ کو پاتا (یعنی دونوں ایک زمانہ میں ہوتے) تو آپ میرے بہت سے اقوال اختیار فرما لیتے۔ دین اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ اچھی اور عمدہ رائے کا نام ہے۔

اس کے بعد خطیب نے لکھا ہے کہ ابو عوانہ نے بیان کیا کہ "میں ایک روز ابو حنیفہؒ کے پاس بیٹھا تھا کہ سلطان کی طرف سے ایک ایلچی آیا۔ اس نے کہا کہ امیر نے پوچھا ہے کہ ایک آدمی نے شہد کا چھتہ چرا لیا ہے۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ ابو حنیفہؒ نے بلا کسی ہچکچاہٹ کے جواب دیا کہ اس کی قیمت اگر دس درہم ہو تو اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ ایلچی چلا گیا تو میں نے ابو حنیفہؒ سے کہا کہ تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ مجھ سے یحییٰ بن سعید نے بیان کیا۔ انہوں نے محمد بن حبان سے۔ انہوں نے رافع بن خدیج سے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ پھل پھلواری کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔ فوراً اس آدمی کی مدد کو پہنچو ورنہ اس کا ہاتھ کٹ جائے گا۔ اس پر ابو حنیفہؒ نے پھر ٹال کہا کہ وہ حکم گذر چکا اور ختم ہو چکا۔ چنانچہ اس چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔"

یہ تھی امام اعظمؒ کے مسلک کی مثال۔ شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے۔ علوم نبوی کے اقسام۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "میں ایک انسان ہوں۔ جب تم سے کوئی دین کی بات بیان کروں تو اسے اختیار کرو اور جو بات میں اپنی رائے سے بیان کروں تو میں ایک انسان ہوں۔" اس پر

شاہ صاحب کا مطلب ہے کہ ان امور کا تعلق تبلیغ رسالت سے نہیں تھا۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ ایسے ہی وہ امور ہیں جن کو آنحضرتؐ کے عہد میں ایک جزئی مصلحت تھی لیکن وہ تمام امت کے لئے لازمی اور حتمی نہ تھے۔ اسی حصہ میں آپ کے احکام اور فیصلے بھی شامل ہیں یا وہ امور جو تدبیر خانہ داری اور آداب معاش اور سیاست مدن سے تعلق رکھتے ہیں۔ شارع نے ان امور کے لئے کوئی مقدار معین نہیں کی ہے۔

## شاہ ولی اللہ کا مسلک

شاہ صاحب کے اس مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبید اللہ سندھی (جو حکمت ولی اللہی کے بہترین شارح اور مبلغ تصور کئے جاتے ہیں) لکھتے ہیں۔

> واضح رہے کہ جب اساسی قانون پر عملدرآمد شروع ہوتا ہے تو مخاطبین کی حالت کے مطابق چند تمہیدی قوانین بنائے جاتے ہیں۔ فرق یہ ہوتا ہے کہ قانون اساسی غیر متبدل ہوتا ہے۔ اور تمہیدی قوانین ضرورت کے وقت بدل سکتے ہیں۔ ہم سنت ان تمہیدی قوانین کو کہتے ہیں جو رسول اللہؐ اور آپ کے بعد خلفائے ثلاثہ نے مسلمانوں کی مرکزی جماعت کے مشورے سے تجویز کئے۔ خلافت عثمانؓ کے بعد یہ نظام ٹوٹ گیا کہ تمام کام مشورے سے کئے جائیں۔ سنت کو ہمارے فقہائے حنفیہ رسول اللہ اور خلفائے راشدین میں مشترک مانتے ہیں۔ اور یہی ہماری رائے ہے۔ یہ سنت قرآن ہی سے پیدا ہوگی۔ آجکل کی اصطلاح میں اس کو بائیلاز کہا جاتا ہے۔ .... اصل قانون اساسی متعین ہے۔ بائیلاز اس وقت اور تھے اس وقت اور ہوں گے جن میں زمانہ کے اقتضاآت کے مطابق فروعی تبدیلیاں ہوں گی۔ نئی نئی پیش آمدہ صورتوں کے متعلق تفصیلی احکام کا استخراج ہوگا اور اس کا نام فقہ ہے۔
>
> (الفرقان - ولی اللہ نمبر ص ۲۶۴)

فقہ اور حدیث سے متعلق دونوں مکاتب فکر کا یکجا ذکر کرتے ہوئے علامہ اقبال کہتے ہیں۔

> جائے حیرت ہے کہ موجودہ حنفی علماء نے خود اپنے مکتب فقہ کی روح کے خلاف امام ابو حنیفہؒ اور ان کے رفقاء کے فیصلوں کو ابدی اور غیر متبدل قرار دے رکھا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح امام ابو حنیفہؒ کے ناقدین نے ان فیصلوں کو ابدی قرار دے لیا تھا جو عہد رسالت مآبؐ اور صحابہؓ میں پیش آمدہ معتد ملت کے سلسلہ میں نافذ ہوئے تھے۔

میں بھی برادران! اس باب میں ان حضرات (امام اعظمؒ۔ شاہ ولی اللہؒ۔ مولانا سندھیؒ۔ اقبالؒ وغیرہ) کا ہم مسلک ہوں۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں ہمارے ہاں ایسے لوگ موجود ہیں جن کا مسلک اس مسلک سے مختلف ہے ان حضرات کی طرف سے اس مسلک کی مخالفت ضروری ہے۔ چنانچہ اس مخالفت کو خود علامہ

**مخالفت**

اقبالؒ نے محسوس (بلکہ Anticipate ) کیا تھا وہ اپنے خطبات میں لکھتے ہیں۔

> مجھے اس میں ذرا سا بھی شبہ نہیں کہ اگر اسلامی قانون سے متعلق ضخیم لٹریچر کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو اس سے دورِ حاضر کے ناقدین کے اس سطحی خیال کی تردید ہو جائے گی کہ اسلامی قانون جامد اور ناقابلِ ترقی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں کا قدامت پرست طبقہ ابھی اس کے لئے تیار نہیں کہ قانون سازی کے مسئلہ کے متعلق تنقیدی نقطۂ نگاہ سے گفتگو کی جائے۔ اگر کسی نے اس بات کو اٹھایا تو یہ اقدام بہت سے لوگوں کے لئے وجۂ ناراضگی ہو جائے گا اور مخالفت کا دروازہ کھول دے گا۔ بایں ہمہ میں اس باب میں کچھ عرض کرنے کی جرأت کروں گا۔ (خطبات صفحہ ۱۵۶)

لہٰذا اس باب میں قدامت پرست طبقہ کی طرف سے مخالفت قابلِ فہم ہے۔ لیکن ہمارے ہاں مصیبت یہ ہے کہ خیالات کے اختلاف کی بناء پر مخالفت میں اس حد تک تشدد برتا جاتا ہے کہ فریقِ مخالف میں کفر اور بیدینی کے سوا کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ چنانچہ اس اختلاف کی وجہ سے (اور تو اور) خود امام اعظمؒ کے متعلق جو کچھ کہا گیا وہ اس شدت کی بین مثال ہے۔ خطیب بغدادی لکھتا ہے کہ

**امام اعظمؒ کی مخالفت**

امام مالک بن انسؒ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ کا فتنہ اس امت کے لئے (معاذ اللہ) ابلیس کے فتنے سے کم نہیں۔ عقیدۂ ارجا میں بھی اور احادیث کو رد کرنے میں بھی۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ دجال کے فتنہ کے بعد اسلام میں کسی فتنہ کو ابوحنیفہؒ کے فتنہ سے بڑا نہیں دیکھا۔ سلمان بن حسان حلبی کہتے ہیں کہ میں نے بے شمار مرتبہ امام اوزاعیؒ کو کہتے سنا ہے کہ ابوحنیفہؒ نے اسلام کے ایک ایک دستے کو گن گن کر توڑا ہے۔ فزاری کہتے ہیں کہ میں نے سفیان اور اوزاعی دونوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ اسلام میں (معاذ اللہ) ابوحنیفہؒ سے زیادہ بدبخت ترین پیدا نہیں ہوا۔ امام شافعیؒ نے بدترین کا لفظ کہا ہے۔ ابوعبید کہتے ہیں کہ میں اسود بن سالم کے ساتھ رصافہ کی جامع مسجد میں بیٹھا تھا۔ وہاں کسی مسئلہ کا تذکرہ آگیا۔ میرے منہ سے نکل گیا کہ ابوحنیفہؒ ایسا کہتے ہیں تو اسود نے مجھے ڈانٹ کر کہا کہ تو مسجد میں ابوحنیفہؒ کا تذکرہ کرتا ہے! مسجد میں ابوحنیفہؒ کا نام لینے کے جرم میں وہ مجھ سے اس قدر ناراض ہوئے کہ مرتے دم تک پھر مجھ سے کلام نہیں کیا۔ (یہ تمام تفصیل خطیب بغدادی کی تاریخ کی جلد ۱۳ میں موجود ہیں)۔ مخالفت میں شدت کا یہ مسلک ہمارے ہاں بدقسمتی سے آج تک چلا آرہا ہے۔

بہرحال، یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میں کہہ یہ رہا تھا کہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ خلافتِ راشدہ میں قانون سازی کی صورت یہ تھی کہ اگر زمانے کے تقاضے کسی سابقہ فیصلہ میں تبدیلی کے متقاضی ہوتے، تو باہمی مشاورت سے ایسی تبدیلی کرلی جاتی۔ اگر خلافت علیٰ منہاجِ رسالت کا یہ سلسلہ قائم رہتا تو ظاہر ہے کہ قانونی تبدیلیوں کی یہ شکل بھی ساتھ کے ساتھ آگے بڑھتی رہتی اور اس طرح ثبات و تغیر کے امتزاج سے، ہمارا قانونِ شریعت اپنی ارتقائی منازل طے کئے چلا جاتا۔ لیکن افسوس کہ وہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اور اس کے بعد قانون میں جانچ پڑتال کا سلسلہ بھی ختم ہوگیا اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے فقہی مکاتب نے اس سلسلہ کو کچھ وقت تک جاری رکھا لیکن ایک تو وہ انفرادی کوششیں تھیں اور دوسرے ان پر بھی ایک وقت کے بعد جمود و تعطل چھا گیا۔ میں اس وقت اس تاریخی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ یہ کیسے ہوا اور کیوں ہوا۔ (علامہ اقبال نے اپنے خطبہ میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے) ہمارے پیشِ نظر موضوع کے ضمن میں جو اہم سوال سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ اب جبکہ خلافت علیٰ منہاجِ رسالت کا نظام مدت ہوئی ختم ہوچکا ہے، تو

## پس چہ باید کرد

ایک اسلامی مملکت کے لئے قانون سازی کے سلسلہ میں کیا صورت اختیار کی جائے؟ اس کا جواب صاف اور سیدھا ہے۔ اور وہ یہ کہ وہی شکل اختیار کی جائے جو عہدِ رسول اللہؐ والذین معہٗ میں اختیار کی گئی تھی۔ یعنی خلافت علیٰ منہاجِ رسالت کو دوبارہ قائم کیا جائے۔ اس ضمن میں بعض حضرات کو کہتے سنا گیا ہے کہ صاحب! یہ تو وہ شکل ہے جس کا اب کوئی امکان ہی نہیں۔ اب ہم ابوبکر صدیق اور عمر (رض) کو کہاں سے لائیں۔ جو ایسی خلافت قائم کریں۔ یہ مایوسی ایک غلط فہمی کی پیدا کردہ ہے۔ اگر اس تصور کو صحیح مان لیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ قرآن تاریخ کے ایک خاص دور کے لئے ضابطۂ حیات بن سکتا تھا اس کے بعد نہیں۔ یہ تصور غلط ہے قرآن کو محفوظ رکھنے سے مقصد ہی یہ تھا کہ یہ ہر زمانے میں ہر مقام کے انسانوں کے لئے ان کی عملی زندگی کا ضابطہ بن سکے۔ لہٰذا قرآن کی روشنی میں جو نظام ایک بار متشکل کیا گیا تھا وہ اب بھی قائم کیا جاسکتا ہے۔ اس نظام کے قیام کی شکل یہ ہے کہ ایک مملکت اس امر کا فیصلہ کرے کہ اس نے اپنے معاشرہ کو ان غیر متبدل خطوط پر متشکل کرنا ہے جو قرآن میں محفوظ ہیں۔ پھر یہ مملکت اسلامی قانون سے متعلق اپنے لٹریچر پر نگاہ ڈالے۔ اس میں جو کچھ ایسا ملے جو قرآنی اصولوں کی روشنی میں ہمارے زمانے کے تقاضوں کو پورا کرسکے۔ اسے علیٰ حالہٖ اختیار (Adopt) کرلے۔ جس میں کسی تبدیلی کی ضرورت ہو، وہ تبدیلی کرلی جائے اور نئی نئی پیش آمدہ صورتوں کے لئے نئی جزئیات متعین کرلی جائیں۔ یہ سب کچھ نمائندگانِ امت کے باہمی مشورے سے ہو۔ اس طرح پھر سے اس نظام کی طرح پڑ جائے گی جو قرآن کی بنیادوں پر استوار ہوگا۔ یہ نظام بتدریج اپنی خامیوں کو دور کرتا ہوا، ترقی کرتا اور اپنے منتہیٰ کی طرف بڑھتا چلا جائے گا۔ یہی وہ سبیل المومنین ہے جس پر چلنے کی قرآن نے تاکید کی ہے۔ جب تک ایسا نظام قائم نہیں ہوتا اس وقت تک امت جس طریق پر چلتی آرہی ہے اس

میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کرنی چاہیئے۔ اس لئے کتب تبدیلی کا حق صرف نظام کو حاصل ہے۔ کسی فرد کو نہیں خواہ اسکی فکر دبصیرت کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو۔)

یہ ہے برادران! میرے نزدیک اسلامی مملکت میں قانون سازی کا اصول اور طریق جس کی نشاندہی علامہ اقبال نے اپنے خطبات میں کی تھی۔ انھوں نے یہ بات (۱۹۲۸ء میں) اس زمانے میں کہی تھی جب پاکستان کا تصور ہنوز ان کے ضمیر میں پہلو بدل رہا تھا۔ اُن کے نزدیک اس کی اہمیت اس قدر تھی کہ انھوں نے (اس سے بھی بہت پہلے) اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ

> میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطہ نگاہ سے زمانہ حال کے جورس پروڈنس پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا وہی اسلام میں مجدد ہوگا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا محسن بھی وہی ہوگا..... افسوس ہے کہ زمانہ حال کے اسلامی فقہاء یا تو زمانہ کے میلانِ طبیعت سے بالکل بے خبر ہیں یا قدامت پرستی میں مبتلا..... میری ناقص رائے میں اسلام اس وقت گویا زمانے کی کسوٹی پر پرکھا جا رہا ہے اور شاید اسلام کی تاریخ میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔
>
> (اقبال نامہ ۔ جلد اول ص۵۰)

علامہ اقبال نے "شاید" کا لفظ اس وقت استعمال کیا تھا جب پاکستان وجود میں نہیں آیا تھا۔ تشکیل پاکستان کے بعد یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ

> تاریخ اسلام میں ایسا وقت پہلے کبھی نہیں آیا

یہ وہ وقت ہے جس کے متعلق انھوں نے (اپنے خطبات میں) کہا تھا کہ

> یہ سوال زود یا بدیر مسلم اقوام کے سامنے آنے والا ہے کہ اسلامی قوانین شریعت میں ارتقاء کی گنجائش ہے یا نہیں۔ یہ سوال بڑا اہم ہے اور بہت بڑی ذہنی جدوجہد کا متقاضی۔ اس سوال کا جواب یقیناً اثبات میں ہونا چاہیئے بشرطیکہ اسلامی دنیا اس کی طرف عمرؓ کی روح لیے کر آگے بڑھے۔ وہ عمرؓ جو اسلام کا سب سے پہلا اور حریت پسند قلب تھا وہ جسے رسول اللہؐ کی حیات طیبہ کے آخری لمحات میں یہ کہنے کی جرأت نصیب ہوئی کہ ــــ
>
> حسبنا کتاب اللہ۔

وہ اپنے اس اہم خطبہ کا خاتمہ ان الفاظ پر کرتے ہیں۔

> اسلام کا بنیادی تخیل یہ ہے کہ اب وحی کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اس بناء پر ہمیں دنیا کی سب سے

زیادہ آزاد قوم ہونا چاہیئے۔ پہلے زمانے کے مسلمان جو الشیائے قبل از اسلام کی روحانی غلامی سے رشتے ہٹ آزاد ہوئے تھے۔ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ وہ (ختم نبوت کے) بنیادی تخیل کی اہمیت کا صحیح صحیح اندازہ کر سکتے۔ لیکن دورِ حاضر کے مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اپنی پوزیشن کو اچھی طرح سے سمجھے (قرآن کے) غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں اپنے معاشرہ کی تشکیل جدید کرے اور وہ عالمگیر جمہوریت قائم کر کے دکھا دے جو اسلام کی اصل وغایت ہے۔ لیکن جو ابھی تک پورے طور پر بے نقاب ہو کر دنیا کے سامنے نہیں آئی

اگر ملت پاکستانیہ نے قرآنی اصولوں کے مطابق فقہ اسلامی کی تشکیلِ جدید کی رو سے اسلام کی عالمگیر جمہوریت قائم کر کے دکھا دی تو اس کے حصہ میں عالم اسلامی کی امامت اور اقوام عالم کی فکری قیادت آسکے گی۔ لیکن اگر یہ اپنے اس اہم اور نازک فریضہ میں ناکام رہ گئی تو دنیا اسکی ناکامی کو خود اسلام کی ناکامی تصور کریگی اور اس تجربہ کو بطور شہادت پیش کر کے کہدیگی کہ اسلام تاریخ کے ایک خاص دور میں کامیاب ہوا تھا۔ اس کے بعد یہ اپنی توانائیوں کو کھو بیٹھا ہے اور اب یہ زمانے کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دینے کے قابل نہیں رہا۔

سوچئے برادران! کہ اس سے ہم انسانیت کی عدالت میں کتنے عظیم اور شدید جرم کے مرتکب ہوں گے۔ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا۔

---


# اسلام میں
# قانون سازی
# کا اصول

اس میں پاکستان کے علاوہ بعض دیگر ممالک اسلامیہ کے بلند پایہ مقننین کے افکار کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں قانون شریعت کا کام کس نہج پر ہونا چاہیئے۔

یہ کتاب وقت کی اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے آپ اپنا نسخہ فوراً منگا لیجئے۔

قیمت فی جلد مجلد :- دو روپے آٹھ آنے

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ کراچی نمبر ۲۹

# قرآنی معاشرہ میں کیا ہوگا؟

## قرآنی معاشرہ میں:-

(۱) ہر شخص کی عزت بلاتمیز مذہب، رنگ، نسل، پیشہ، محض اس کے انسان ہونے کی جہت سے ہوگی۔ کسی کو پست یا ذلیل نہیں سمجھا جائے گا۔ برتری کا معیار یہ ہوگا کہ کوئی شخص اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں کس قدر محنت اور دیانت سے کام لیتا ہے اور نوع انسانی کو فائدہ پہنچانے کی خاطر کیا کرتا ہے۔

(۲) کوئی شخص بیکس، ولاچار اور بے یار و مددگار نہیں ہوگا۔ ہر ایک کی بات سنی جائے گی اور تکلیف رفع کی جائے گی۔ ہر شخص کو انصاف ملے گا اور بغیر کچھ خرچ کئے ملے گا۔ کوئی صاحب اثر، انصاف کے پلڑے کو اپنی طرف نہیں جھکا سکیگا۔

(۳) کوئی فرد بھوکا ننگا یا بے گھر نہیں رہے گا۔ تمام افراد کے لئے خوراک، لباس اور مکان کا انتظام کرنا معاشرہ کے ذمہ ہوگا۔

(۴) معاشرہ کی یہ بھی ذمہ داری ہوگی کہ ہر شخص کی تعلیم و تربیت اور (بوقت ضرورت) علاج معالجہ کا تسلی بخش اور بلاقیمت انتظام کرے۔ تعلیم و تربیت کا منشا، حصول علم کے علاوہ، فرد کی ذات کا استحکام اور اس کی مضمر صلاحیتوں کی پوری پوری نشوونما ہوگا۔ بالفاظ دیگر معاشرہ کا وجود فرد کی ذات کی تکمیل کے لئے ہوگا۔

(۵) ہر شخص اپنی پوری استعداد اور محنت سے کام کرے گا۔ صرف وہ افراد کام نہیں کریں گے جو کسی وجہ سے کام کرنے سے معذور ہو گئے ہوں۔ یہ نہیں ہوگا کہ کچھ لوگ محنت کرتے کرتے ہلکان ہو جائیں۔ اور کچھ لوگ ان کی کمائی پر مفت میں عیش اڑائیں۔

(۶) ہر شخص اپنی محنت کے ماحصل میں سے اپنے لئے صرف اتنا رکھے گا جس سے اس کی مناسب ضروریات پوری ہوں۔ باقی سب اپنے دل کی رضامندی سے حاجتمندوں کی ضروریات کے لئے کھلا رکھے گا۔ بلکہ عندالضرورت دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دے گا۔ کیونکہ انسانی ذات کی نشوونما کا یہی طریق ہے۔

(۷) رزق کے سرچشمے (خواہ وہ زمین کی شکل میں ہوں یا کارخانوں کی صورت میں) معاشرہ کی تحویل میں رہیں گے تاکہ

وہ افراد معاشرہ کے کام آئیں۔ معاشرہ انہیں نظم و نسق کی خاطر بطور امانت افراد کے سپرد کرے گا۔

جب افراد کی ضروریات زندگی کی ذمہ داری معاشرہ کے سر ہوگی اور رزق کے سرچشمے حاجتمندوں کے لئے کھلے رہینگے تو کسی کے لئے دولت سمیٹ کر جمع کرنے اور جائیدادیں بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

(۸) ہر معاملہ کا فیصلہ خدا کے احکام کے مطابق ہوگا نہ کہ کسی خاص گروہ یا طبقہ کی مرضی کے مطابق (اس میں گروہ اور پارٹیوں کا وجود ہی نہیں ہوگا) اس لئے اس معاشرہ میں نہ کسی قسم کا جور ہوگا نہ استبداد۔ نہ ظلم ہوگا نہ زیادتی۔

(۹) ہر شخص کھل کر بات کرے گا۔ اس کے دل میں نہ کسی کی طرف سے نقصان پہونچنے کا ڈر ہوگا، نہ کسی کو نقصان پہنچانے کا خیال ایک دوسرے پر اعتماد اور بھروسہ ہوگا اور دھوکا اور فریب کی گنجائش نہیں ہوگی۔ اس طرح گھروں کے اندر سکون اور معاشرے کے اندر اطمینان ہوگا۔

(۱۰) یہ سب کچھ اس لئے ہوگا کہ ہر شخص قوانین خداوندی کے محکم اور مکافاتِ عمل کے اٹل ہونے پر یقین رکھے گا یہ معاشرہ قائم ہی انہیں بنیادوں پر ہوگا۔

طلوع اسلام کا نصب العین اسی قسم کے قرآنی معاشرہ کا قیام ہے۔ واللہ المستعان۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام - کراچی۔ ۲۹

---


# طاہرہ کے نام ـــــــ خطوط

(از) پرویز

طاہرہ ملت اسلامیہ کی ایک نیک طبیعت اور ذہین بچی ہے جو ہمارے معاشرے میں عورتوں کی پریشان حالی سے بہت متاثر ہے۔ اور ان مشکلات کا حل معلوم کرنے کے لئے بے حد مضطرب ہے۔ اس کے مختلف استفسارات کا جواب قرآن کی روشنی میں خطوط کی صورت میں دیا گیا ہے۔

کتاب دو حصوں میں شائع ہوئی ہے

حصہ اول مجلد قیمت دو روپے۔ حصہ دوم مجلد قیمت دو روپے آٹھ آنے (علاوہ محصولڈاک)

ناظم ادارہ طلوع اسلام ۱۵۹/۳۔ ایل اپی۔ ای۔ سی۔ ایچ سوسائٹی) کراچی ۲۹

# قرآنی انقلاب کا صحیح تصوّر

## ان کتابوں سے پیدا ہو سکیگا

**معراج انسانیت** حضور صلعم کی ذات اقدس میں اعظم شرف مجد انسانیت کے کس بلند مقام پر فائز تھی اسے قرآنی آئینہ میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ سیرت مقدسہ کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ مضبوط و حسین جلد۔ قیمت۔ بیس روپے

**ابلیس و آدم** سب سے پہلا انسان کس طرح پیدا ہوا تھا؟ جنات، ملائکہ، وحی، شیطان اور ابلیس جیسے اہم مباحث کے لئے سلسلۂ معارف القرآن کی اس پہلی کڑی کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ بڑی تقطیع کے ۳۷۶ صفحات۔ قیمت آٹھ روپے

**جوئے نور** کاروانِ نبوت کے درخشندہ ستاروں یعنی حضرات انبیائے کرام از حضرت نوحؑ تا حضرت شعیبؑ کے تذکار جلیلہ پر تفصیلی کتاب بسلسلہ معارف القرآن کی دوسری کڑی۔ سائز ۲۲×۲۹/۸ ۳۶۸ صفحات۔ قیمت چھ روپے

**انسان نے کیا سوچا؟** زندگی کے اہم مسائل کے حل کے لئے انسانی فکر نے کیا کیا کوششیں کیں اور اس کا نتیجہ کیا نکلا! بیش بہا معلومات کا ذخیرہ۔ سائز ۲۲×۲۹/۸ ۳۶۸ صفحات۔ قیمت دس روپے

**سلیم کے نام خطوط** مذہب کے متعلق نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کے دل میں جو شکوک و شبہات اور اعتراضات پیدا ہوتے ہیں ان کا نہایت شگفتہ اور شاداب جواب۔ بڑے سائز کے ۴۰۸ صفحات قیمت چھ روپے

**فردوس گم گشتہ** ان مضامین کا مجموعہ جنھوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا ہے اور فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ اردو لٹریچر کی بلند پایہ کتاب۔ بڑے سائز کے ۴۱۶ صفحات قیمت چھ روپے

**نظام ربوبیت** نوع انسانی کا سب سے اہم اور مشکل سوال اس کا معاشی مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کا حل عقل انسانی نے کیا سوچا اور قرآن نے اس کا حل کیا بتایا ہے۔ دور حاضر کی عظیم کتاب۔ بڑے سائز کے ۴۰۰ صفحات۔ قیمت قسم اول مجلد چھ روپے۔ قسم دوم غیر مجلد چار روپے۔

**اسباب زوال امت** (دوسرا ایڈیشن) مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہماری نکبت و زوال کے اسباب کیا ہیں اور ان کا علاج کیا۔ ضخامت ۲۷۰ صفحات قیمت دو روپے

(یہ تمام کتابیں محترم پرویز صاحب کے تدبر فی القرآن کا نتیجہ ہیں)

ملنے کا پتہ:۔ **ناظم ادارہ طلوع اسلام** ۳/۱۵۹۔ ایل (پی۔ای۔سی ہاؤسنگ سوسائٹی) **کراچی ۲۹**

# چند بصیرت افروز کتابیں

**جشن نامے** ہم ہرسال جشن جمہوریہ منانے کی تیاریاں کرتے ہیں مگر کیا ہر جشن اسی طرح منایا جائے گا جیسے ہم ہر سال مناتے چلے آ رہے ہیں۔ ہمارے جشنوں کی تبسم نشاں درد انگیز تصویر ۲۵۶ صفحات۔ قیمت دو روپے

**مزاج شناس رسولؐ** پیشوایانہ ڈکٹیٹرشپ کی راہیں کس طرح ہموار کی جا رہی ہیں۔ اسے سمجھنے کے لئے اس کتاب کو پڑھیئے۔ تاکہ جماعتِ اسلامی کا صحیح موقف آپ کے سامنے آ جائے۔ قیمت چار روپے

**مقامِ حدیث (جلد دوم)** حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جوابات۔ حدیث کی تاریخ۔ منکرِ حدیث کون ہیں؟ غرضیکہ احادیث کے متعلق اتنی وسیع معلومات آپ کو کہیں نہیں ملیں گی پہلی جلد ختم ہو چکی ہے۔ قیمت جلد دوم۔ چار روپے

**قرآنی فیصلے** روزمرہ زندگی کے ساتھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن ہمیں کیا راہ نمائی دیتا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں۔ دین کے متعلق پُر از معلومات اور حقیقت کشا کتاب ہے۔ ۴۰۸ صفحات۔ قیمت چار روپے

**قرآنی دستورِ پاکستان** اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت، علماء اور جماعتِ اسلامی کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ ۲۲۴ صفحات۔ قیمت دو روپے

**اسلامی نظام** اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اسکے جواب میں جناب پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات کا مجموعہ جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۸۰ صفحات۔ قیمت دو روپے۔

**اسلامی معاشرت** (از پرویز) (تیسرا ایڈیشن زیر طبع) مسلمانوں کی روزمرہ زندگی کے لئے قرآن کے ارشادات۔ بالخصوص عورتوں، بچوں اور کم پڑھے لکھے لوگوں کے لئے اس سے بہتر کتاب آپ کو نہیں ملے گی۔ قیمت دو روپے

**اقبال اور قرآن** (از ا۔ پرویز) علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ۔ ۲۵۶ صفحات۔ قیمت دو روپے

(محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار ہوگا)

ملنے کا پتہ:۔ ناظم ادارہ طلوعِ اسلام ۱۵۹/۳۔ ایل (پی۔ ای۔ سی ہاؤسنگ سوسائٹی) کراچی ۲۹

# مجلسِ اقبال

**رموزِ بیخودی۔** درمعنیٔ ایں کہ یاس وحزن وخوف اُم الخبائث است وقاطعِ حیات۔ وتوحید ازالۂ ایں امراضِ خبیثہ می کند۔

سابقہ باب میں علامہ اقبالؒ نے بتایا ہے کہ جن اساسی ارکان پر ملت اسلامیہ کی عمارت استوار ہوتی ہے، ان میں سب سے پہلے توحید کا مقام ہے اور توحید سے مفہوم یہ ہے کہ انسان اس حقیقت پر یقین کرے کہ دنیا میں کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اپنا محکوم بنائے اور اطاعت صرف قوانین خداوندی کی جائز ہے اور کسی کے قانون کی نہیں۔ ظاہر ہے کہ جس دل میں یہ حقیقت جاگزیں ہو جائے۔ اور اس کے بعد وہ اپنے اعمال سے اس کی شہادت بہم پہنچائے، تو اس سے زیادہ جری اور بیباک اور کون ہو سکتا ہے؟ پھر یہ بھی کہ اس کے سامنے زندگی کا ایک بلند نصب العین ہوگا جس کے حصول کے لئے وہ ہمہ تن حرکت و حرارت بنا رہے گا۔ اور اُسے اس پر یقین ہوگا کہ اس کا کوئی عمل رائگاں نہیں جا سکتا۔ ہر ایک اپنا اپنا نتیجہ مرتب کرے گا۔ اس قسم کے انسان کے دل میں کبھی یاس وناامیدی اور خوف وحزن کا گذر تک نہیں ہو سکتا۔

زیرِ نظر باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ خوف وحزن اور یاس وناامیدی تمام خبائث کی جڑ اور قاطعِ حیات ہے۔ جو افراد یا اقوام ان جانکاہ امراض میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ ان کا نخلِ زندگی خشک ہو جاتا ہے اور یہی ان کی موت ہے۔

مرگ را ساماں ز قطعِ آرزوست
زندگانی محکم از لاتقنطواست

جب انسان کے سامنے زندگی کا کوئی نصب العین نہ ہو اور نہ اس کے دل میں کسی مدعا کے حصول کے لئے تپش وخلش، تو وہ انسان مردہ ہے زندہ نہیں۔ اس لئے کہ زندگی کی اولیں شرط یہ ہے کہ انسان کا سینہ آرزوؤں سے آباد ہو۔ اگر اس پر یاس وناامیدی چھا جائے تو اس کی شاخِ حیات مرجھا جاتی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ انسان کا دل پُرامید کس طرح رہ سکتا ہے؟ اس کا جواب بڑا آسان ہے۔

نا امید از آرزوئے پیہم است
نا امیدی زندگانی را سم است

اگر انسان کے دل میں مستقل اور مسلسل طور پر آرزو موجود ہے تو اس کی امید کا سلسلہ منقطع نہیں ہو سکتا۔ دل سے آرزو کا مٹ جانا نا امیدی پیدا کر دیتا ہے۔ اور نا امیدی زندگی کے لئے زہر ہلاہل ہے۔

نا امیدی ہمچو گور افشار دست
گرچہ الوندی ز پا می آرد ست

نا امیدی انسان کے جسم سے خونِ زندگی اس طرح نچوڑ لیتی ہے جس طرح قبر مردے کا سب کچھ نچوڑ لیتی ہے۔ انسان خواہ کوہ الوند جیسا محکم کیوں نہ ہو۔ اگر اس پر نا امیدی چھا جائے تو اس کے پاؤں میں لغزش آجائے گی۔ وہ اپنے مقام سے ہل جائے گا۔

ناتوانی بندۂ احسانِ او
نامرادی بستۂ دامانِ او

نا امیدی اور ناتوانی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس طرح نا امیدی اور نامرادی گویا توام بہنیں ہیں جو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتیں جس پر نا امیدی چھا جائے گی وہ ضعیف و ناتواں بھی ہو جائے گا اور ناکام و نامراد بھی۔

زندگی را یاس خواب آور بود
ایں دلیلِ سستیٔ عنصر بود

یاس و نا امیدی زندگی کے لئے وہی کچھ کرتی ہے جو افیون انسانی جسم کے لئے کرتی ہے۔ افیون سے انسانی اعضا و جوارح مضمحل ہو جاتے ہیں۔ ان پر سستی غالب آجاتی ہے۔ اسی طرح نا امیدی سے خود انسانی زندگی پژمردہ اور مضمحل ہو جاتی ہے۔

چشم جاں را سرمہ اش اعمیٰ کند
روزِ روشن را شب یلدا کند

نا امیدی کا سرمہ ایسا ہے کہ اگر جان کی آنکھ میں لگا دیا جائے تو وہ اندھی ہو جائے۔ اس کی تاریکیاں روزِ روشن کو اندھیری رات میں تبدیل کر دیتی ہیں۔

از دمش میرد قوائے زندگی
خشک گردد چشمہائے زندگی

دمِ مسیح کا تو اثر یہ ہوتا ہے کہ اس سے مردہ زندہ ہو جاتا ہے۔ لیکن نا امیدی کے دم سے زندگی کی تمام قوتیں مردہ ہو جاتی ہیں اور چشمۂ حیات یکسر خشک ہو جاتا ہے۔

خفتہ با غم در تہ یک چادر است
غم رگِ جاں را مثالِ نشتر است

نا امیدی اور غم یوں سمجھئے گویا ایک ہی چادر میں دونوں سوئے ہوئے ہیں ان کا باہمی تعلق اس قسم کا ہے کہ ایک سے دوسرا جدا نہیں۔ جہاں نا امیدی آئی وہاں اسکے ساتھ غم والم کے بادل بھی چھا گئے۔ اور غم کے متعلق تو آپ جانتے ہی ہیں کہ وہ کس طرح انسان کے لئے ہلاکت انگیز ہوتا ہے۔

اے کہ در زندانِ غم باشی اسیر
از نبی تعلیم لاتحزن بگیر

اگر تم سوئے اتفاق سے غم کے قید خانہ میں محبوس ہو چکے ہو۔ اگر اس نے تمہیں چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے تو اس سے نکلنے کی صورت ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ توحید کے حسبِ حکم ایمان کی بنا پر نبی اکرمؐ نے اس غار کی خوفناک تنہائیوں میں جس میں حضورؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ واقعہ ہجرت کے وقت چھپے بیٹھے تھے دشمن کے پاؤں کی آہٹ سنکر اپنے ساتھیؓ سے فرمایا تھا کہ لا تحزن ان اللہ معنا (مت گھبراؤ۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے) وہی ایمان تمہارے دل میں بھی پیدا ہو جائے۔ نا امیدی کا علاج ہی ایمان محکم اور یقینِ کامل ہے۔ ایمان اس نصب العین کی صداقت پر جسے اللہ نے ہمارے لئے متعین کیا ہے۔ اور یقین خدا کے اس قانون مکافات پر کہ ہمارا کوئی کام نتیجہ خیز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ایں سبق صدیقؓ را صدیق کرد
سرخوش از پیمانۂ تحقیق کرد

یہی وہ ہمت افزا اور حوصلہ خیز سبق تھا جس نے حضرت ابوبکرؓ کو صدیق بنا دیا اور انھوں نے اپنی زندگی سے اسے سچا ثابت کر کے دکھا دیا اس وقت ان کا یہ ایمان بالغیب تھا۔ اس کے بعد جوں جوں زندگی کے تجارب تحقیق کے میدان میں انھیں آگے بڑھاتے گئے یہ ایمان علیٰ وجہ البصیرت یقین میں تبدیل ہوتا گیا۔

از رضا مسلم مثالِ کوکب است
در رہِ ہستی تبسم بر لب است

یہی وہ ایمان ہے جس سے ایک مسلم اپنے آپ کو کاملۃً قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ کر لیتا ہے۔ اور پھر اس کی پیشانی ظلمت کدۂ دہر میں ایک درخشاں ستارے کی طرح چمکتی ہے۔ وہ شاہراہِ حیات پر مردانہ وار گامزن رہتا ہے اور اس راستے میں جس قدر مصائب اور پریشانیاں آتی ہیں، ہنستا کھیلتا ہوا ان کا مقابلہ کرتا ہے۔ وہ کبھی گھبراتا نہیں۔ کبھی مغموم اور پریشان نہیں ہوتا۔ لہذا

گر خدا داری ز غم آزاد شو
از خیالِ بیش و کم آزاد شو

اگر تمہارا قوانینِ خداوندی پر محکم یقین ہے تو پھر دنیا کے ہر قسم کے غم سے نجات حاصل کر لو۔ اور اس طرح بیش و کم کے فکر سے بھی آزاد ہو جاؤ۔

قوتِ ایماں حیات افزایدت
وردِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ بایدت

ایمان میں وہ قوت ہے جس سے تیری زندگی بڑھ جائے گی۔ مومنین کی تو قرآن نے خصوصیت ہی یہ بتائی ہے کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ انھیں کسی قسم کا غم و حزن نہیں ہوتا۔ یہ حقیقت ہر وقت تمہارے سامنے ہونی چاہیے یعنی اگر تم غم و الم سے اثر پذیر ہو گئے۔ اگر تم پر خوف و حزن چھا گیا تو سمجھ لو کہ تمہارے ایمان میں کمزوری آ گئی ہے۔

چوں کلیمے سوئے فرعونے رود
قلب او از لاتخف محکم شود

جس میں ایمان کی قوت ہو وہ اپنے شدید ترین اور جابر و مستبد ترین دشمن کے سامنے بھی اس بے خوفی اور سربلندی سے جاتا ہے جس طرح صاحب ضرب کلیم حضرت موسیٰ فرعون کے دربار میں پہنچے تھے۔ یہ اس لئے تھا کہ ان کے دل میں کسی قسم کا خوف و حزن نہیں تھا۔ توحید نے ان کے دل میں انتہا درجہ کی بے خوفی اور بیباکی پیدا کر دی تھی۔

بیم غیر اللہ عمل را دشمن است
کاروانِ زندگی را رہزن است

حقیقت یہ ہے کہ جس شخص پر خوف سوار ہو جائے اس میں قوتِ عمل باقی نہیں رہتی۔ خوف تو کاروانِ زندگی کے لئے رہزن ہوتا ہے۔ وہ انسان اور اقوام کی متاعِ دین و دانش سب کچھ لوٹ کر لے جاتا ہے۔

عزمِ محکم ممکنات اندیش ازو
ہمت عالی تامل کیش ازو

خوفزدہ انسان کے ارادے میں استحکام نہیں رہ سکتا۔ وہ قدم اٹھانے بلکہ فیصلہ کرنے سے پہلے ہی اس سوچ میں پڑ جائے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو جائے — اگر یوں ہو گیا تو پھر کیا بنے گا اور اگر یوں نہ ہوا تو پھر کیا ہو گا! خوف قدم قدم پر اس کا عناں گیر ہو گا اور اس طرح اس کی ہمت پست سے پست تر ہوتی چلی جائے گی۔

تخم او چوں در گلت خود را نشاند
زندگی از خودنمائی باز ماند

زندگی کا خاصہ اس کی نمود ہے۔ زندگی جہاں بھی ہو وہ پنہاں نہیں رہ سکتی۔ ہمیشہ اپنی نمود اور اظہار چاہتی ہے۔

بمری زد تا سبب مستوری ندارند
چوں در بندی زند زن سر برارند

لیکن جب انسان پر خوف چھا جائے تو وہ چھپے چھپے پھرتا ہے۔ اس میں زندگی کی نمود ہی باقی نہیں رہتی۔

فطرتِ او تنگ تاب و سازگار
با دلِ لرزان و دستِ رعشہ دار

اس کی فطرت بیحد کمزور اور ناتواں ہو جاتی ہے۔ قوت اور غلبہ اسے راس ہی نہیں آتا۔ وہ ایک لرزتے ہوئے دل اور کانپتے ہوئے ہاتھ کو اپنے لئے بے حد سازگار پاتی ہے۔

دزدد از پا طاقتِ رفتار را
می رباید از دماغ افکار را

غیر اللہ کا خوف، انسان کے پاؤں میں کوئی طاقت نہیں چھوڑتا۔ اس میں چلنے کی سکت ہی نہیں رہتی۔ اور اتنا ہی نہیں کہ وہ اُس کے پاؤں کی طاقت سلب کر لیتا ہے۔ اس کے دماغ میں سوچنے کی صلاحیت بھی نہیں رہتی۔

دشمنت ترساں اگر بیند ترا
از خیابانت چو گل چیند ترا

اگر تیرے دشمن کو معلوم ہو جائے کہ تو خائف ہے تو وہ مصائبِ زندگی سے تجھے ایسی آسانی سے الگ کر دے گا جیسے کوئی باغ سے پھول توڑ لے۔

ضربِ تیغ او قوی تر می فتد
ہم نگاہش مثلِ خنجر می فتد

اُس وقت دشمن کی تلوار کا وار بڑا بھرپور پڑے گا۔ وہ خنجر سے نہیں نگاہوں سے تمہارا سینہ چیر کر رکھ دے گا۔

بیم چوں بند است اندر پائے ما
ورنہ صد سیل است در دریائے ما

انسان کی ممکنات حدِ فراموش ہیں اور اس کی قوتیں قیود نا آشنا۔ اس کے زور بازو کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ یہ ایک بحرِ بیکراں ہے۔ لیکن خوف اس کے راستے میں ایسا ناقابلِ شکست بند بن کر حائل ہو جاتا ہے کہ اس کی ساری روانیاں ساکن ہو جاتی ہیں۔

بر نمی آید اگر آہنگِ تو
نرم از بیم است تارِ چنگِ تو

اگر کسی وقت تم دیکھو کہ تم اپنی آواز بلند نہیں کر سکتے تو سمجھ لو کہ خوف نے تمہارے سازِ حیات کے تار ڈھیلے کر دیئے ہیں جن سے اول تو کوئی نغمہ ہی بیدار نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ہوتا بھی ہے تو نہایت کمزور۔

اس کا علاج یہ ہے کہ

گوشِ تا بِشں دہ کہ گردد نغمہ خیز

بر فلک از نالہ آرد رستخیز

اس کی ذرا گوشمالی کرتا کہ اس کے تاروں سے نغمے ابھر کر باہر آئیں اور اس انداز سے آئیں کہ آسمان پر حشر برپا ہو جائے۔

بیم جاسوسی است از اقلیمِ مرگ

اندرونش تیرہ مثلِ میمِ مرگ

خوف کیا ہے؟ موت کی سلطنت کا جاسوس ہے۔ اس کے اندر تاریکی ہی تاریکی ہے۔ (لفظ مرگ کے میم کی طرح)

چشمِ او برہم زنِ کارِ حیات

گوشِ او بزگیرِ اخبارِ حیات

خوف کی آنکھ، زندگی کے کاروبار کو درہم برہم کر دیتی ہے۔ اس کا کان حیاتِ انسانی کی خبروں کو چوری چوری سنتا رہتا ہے۔

ہر شرِ پنہاں کہ اندر قلبِ تست

اصلِ او بیم است اگر بینی درست

تیرے دل میں جو بھی شر پوشیدہ ہو۔ اگر تو صحیح طور پر دیکھے تو تجھے نظر آ جائے گا کہ اس کی اصل خوف سے ہی ہے۔ ہر شر کا سرچشمہ خوف ہے۔

لابہ و مکاری و کین و دروغ    این ہمہ از خوف می گیرد فروغ

پردۂ زور و ریا پیراہنش    فتنہ را آغوشِ مادر دامنش

خوشامد۔ مکاری۔ فریب دہی۔ کینہ۔ جھوٹ۔ یہ سب خوف سے فروغ حاصل کرتے ہیں۔ منافقت اور ریاکاری بتصنع اور ملمع سازی، تمام عیوب اسی کے پیدا کردہ اور ہر فتنہ اس کے دامن کا پروردہ ہے۔

زانکہ از ہمت نباشد استوار

می شود خوشنود با ناسازگار

صاحبِ ہمت۔ مردِ مومن کا کام یہ ہے کہ اگر زمانہ اس سے سازگار نہیں تو حوصلے درہم برہم کر کے اپنے لئے ایک نئے جہان کی تخلیق کر لیتا ہے۔ لیکن جس شخص کی ہمت کو خوف اڑا کر لے جائے اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ وہ ناسازگار حالات سے بہت خوش رہتا ہے اور یہ کہہ کر اپنے آپ کو اطمینان (بلکہ فریب) دے لیتا ہے کہ

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں

گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

یہ ہیں خوف کے نتائج و عواقب۔ لہذا۔

ہر کہ رمزِ مصطفےٰ فہمیدہ است
شرک را در خوف مضمر دیدہ است

جس شخص نے نبی اکرمؐ کی تعلیم کو سمجھ لیا ہے وہ جانتا ہے کہ خوفِ غیر اللہ کا ہی دوسرا نام شرک ہے۔ شرک کے معنی ہی یہ ہیں کہ انسان کسی غیر اللہ سے خوف کھائے۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ قرآن کی رُو سے خوف اور ایمان کس طرح دو متضاد عناصر ہیں جو کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

# محاورۂ تیر و شمشیر

سابقہ باب میں علامہ اقبال نے بتایا ہے کہ توحید کا عملی مفہوم یہ ہے کہ انسان کے دل سے خوف اور حزن جاتا رہے۔ جس دل میں خوف ہو، وہ دل مومن کا قلب نہیں ہو سکتا۔ زیرِ نظر تمثیلی محاورہ میں اسی حقیقت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ پہلا شعر ہے۔

سرِ حق تیر از لبِ سوفار گفت
تیغ را در گرمیٔ پیکار گفت

میدانِ کارزار میں تیر اور تلوار دونوں سرگرمِ عمل تھے۔ تیر نے اپنی انی کی زبان سے تلوار سے کہا۔

اے پریہا جوہر اندر قافِ تو
ذوالفقارِ حیدرؓ از اسلافِ تو

تیرے درخشندہ و تابناک اور لطیف و برق پا جوہر تجھ میں اس طرح پوشیدہ ہیں جیسے کوہِ قاف میں پریاں ہوں۔ تو اس قدر عالی نسب ہے کہ حضرت علیؓ کی تلوار تیرے آباؤ اجداد میں سے ہے۔

قوتِ بازوئے خالد دیدۂ
شام را بر سر شفق پاشیدۂ

تو نے حضرت خالد سیف اللہ کی قوتِ بازو کو دیکھا ہے۔ تو نے دشمنوں کے خون سے میدانِ جنگ کو لالہ زار بنا دیا ہے۔

آتشِ قہرِ خدا سرمایہ ات
جنت الفردوس زیرِ سایہ ات

قہرِ خداوندی کی آگ حق کے دشمنوں پر تیری شکل میں برستی ہے۔ جنت کی آسائشیں تیرے سایہ میں پوشیدہ ہیں۔ میری بھی

یہ کیفیت ہے کہ

درہوایم یا میانِ ترکشم
ہر کجا باشم سراپا آتشم

میں اپنے ترکش میں ہوں یا کمان سے نکل کر ہوا میں پرواز کر رہا ہوں۔ جہاں بھی ہوں یکسر آگ ہوں آگ۔

از کماں آیم چو سوئے سینہ من
نیک می بینم بہ توئے سینہ من

میں جب کمان سے نکل کر دشمن کے سینے کے اندر گھستا ہوں تو میں پہلے اس سینے کے مضمرات کو اچھی طرح سے دیکھتا بھالتا ہوں۔

گر نباشد درمیاں قلبِ سلیم | فارغ از اندیشہ ہائے یاس و بیم
چاک چاک از نوکِ خود گردانمش | نیمۂ از موجِ خوں پوشانمش

اگر میں دیکھوں کہ اس سینے میں ایسا قلبِ سلیم نہیں جو خوف، حزن اور یاس و ناامیدی سے خالی ہو تو میں اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہوں اور اُسے خونچکاں کفن پہنا دیتا ہوں۔

ور صفائے او ز قلبِ مومن است | ظاہرش روشن ز نورِ باطن است
از تفِ او آب گردد جانِ من
ہمچو شبنم می چکد پیکانِ من

اور اگر میں دیکھوں کہ اُس سینے کی روشنی قلبِ مومن سے ہے اور اس نورِ باطن سے اس کا ظاہری پیکر روشن ہے تو اس سینے کی حرارت سے میری جان پانی پانی ہو جاتی ہے۔ اور میرا پیکان شبنم کی طرح نیچے آگرتا ہے۔

---

# حکایت شیر و شہنشاہ عالمگیرؒ

اسی نکتہ کو (کہ مومن کا دل خوف کی آماجگاہ نہیں بن سکتا) ایک اور حکایت سے واضح کیا گیا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ علامہ اقبال کو مسلمانوں سے بڑی محبت تھی۔ وہ ان کے عروج و عظمت سے خوش ہوتے اور ان کی نکبت و زبوں حالی پر خون کے آنسو بہاتے تھے۔ ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ مسلمانوں کی سطوت و شوکت کی نشانی تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ صحیح معنوں میں اسلامی حکومت نہیں تھی۔ لیکن بایں ہمہ، مسلمانوں کی قوت و عظمت کی آئینہ دار تو تھی۔ لہٰذا اس کا تنزل مسلمانوں کی حکومت و سطوت کا تنزل تھا جس کا علامہ اقبال کو بڑا قلق تھا۔ یہ تنزل اورنگ زیب عالمگیر کے بعد شروع ہوا۔ اس لئے، عالمگیر مسلمانوں کی مذکورہ صدر شوکت و حشمت کا آخری نشان تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اکبر جس قسم کے برہمو سماجی اسلام کو رائج کرنا چاہتا تھا

اورنگ زیب اس کے خلاف ایک عملی احتجاج تھا۔ اس زمانے میں ہمارے ہاں فقہ حنفی رائج تھی۔ اورنگ زیب نے اس فقہ کی ترتیب و تدوین میں نمایاں کام کیا (فتاویٰ عالمگیری اس کی شہادت ہے) اور یوں قوانین شریعت مروجہ کو ایک ضابطہ کی شکل میں منضبط کر دیا۔ یہ تھیں اورنگ زیب کی وہ خصوصیات جن کی بنا پر اقبال کے دل میں اس کا بڑا احترام تھا۔ اس احترام کا اظہار زیر نظر باب کے پہلے بند میں بڑے جوش و ولولہ اور ارادت و عقیدت سے کیا گیا ہے۔

شاہ عالمگیر گردوں آستاں　　اعتبار دودمانِ گورگاں

پایۂ اسلامیاں برتر ازو　　احترامِ شرعِ پیغمبر ازو

خاندانِ مغلیہ کا گوہرِ تابدار، اورنگ زیب عالمگیر کہ جس کے وجود سے مسلمانوں کا مرتبہ بہت بلند تھا اور ملک میں قانونِ شریعت کا احترام تھا۔

در میانِ کارزارِ کفر و دیں

ترکشِ ما را خدنگِ آخریں

ہندوستان کے معرکۂ کفر و دیں میں، وہ ہمارے ترکش کا آخری تیر تھا۔ اس کے بعد یہ ترکش خالی ہو گیا اور کفر غالب آنے لگ گیا۔ جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، مغلیہ سلطنت صحیح معنوں میں اسلامی سلطنت نہیں تھی اس لئے اس کی نبرد آزمائیاں کفر اور دین کی کشمکش نہیں تھیں۔ لیکن (جیسا کہ اگلے اشعار سے واضح ہے) معلوم ہوتا ہے کہ "کفر و دین کے معرکہ" سے اقبال کی مراد اس فتنے کے خلاف جد و جہد تھی جس کی ابتداء اکبر نے کی تھی۔

تخمِ الحادے کہ اکبر پرورید　　باز اندر فطرتِ دارا دمید

شمعِ دل در سینہ ہا روشن نبود　　ملتِ ما از فساد ایمن نبود

اکبر نے جس الحاد کا بیج بویا تھا۔ اور جو اس کے بعد داراشکوہ کی شطحیات کی شکل میں برومند ہو رہا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے سینے سے ایمان کی شمعیں بجھ رہی تھیں اور صاف نظر آتا تھا کہ کچھ عرصے کے بعد مسلمانوں کی زندگی کے ہر گوشے میں برہمی پیدا ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اکبر کا "دینِ الٰہی" بہت بڑی بت گری تھی جس سے اسلام کی کوئی رمق بھی باقی نہیں رہ سکتی تھی۔ اس کی تعلیم کا ملخص یہ تھا کہ کسی مذہب کو دوسرے مذہب پر کوئی فوقیت حاصل نہیں (ابوالکلام صاحب آزاد کے الفاظ میں) عالمگیر سچائیاں تمام مذاہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں؛ اور دین سے مقصود "خدا پرستی اور نیک عمل کی زندگی ہے جو اپنے اپنے مذہب و مسلک پر پابند رہتے ہوئے بسر کی جا سکتی ہے" رام بھی وہی ہے رحیم بھی وہی۔ کفر بھی وہی ہے اسلام بھی وہی۔ ہندو اور مسلمان ایک قوم کے فرد ہیں۔ مذہب کا تعلق انسان کی نجی زندگی سے ہے جس انداز سے کسی کا جی چاہے خدا کی پرستش۔ ایشور کی پوجا کرے۔ یہ تھا وہ "دینِ الٰہی" جسے اکبر رائج کرنا چاہتا تھا۔ اسی کی اشاعت داراشکوہ نے کی جو فلسفۂ وحدتِ وجود کا بڑا علمبردار تھا۔ یہ تھے وہ حالات جن میں

حق گزید از ہند عالمگیر را آں فقیرِ صاحبِ شمشیر را
از پئے احیائے دیں مامور کرد بہرِ تجدید یقیں مامور کرد

اللہ تعالیٰ نے عالمگیر کو منتخب کیا اور اسے احیائے دیں اور تجدید ایمان کے وظیفہ پر مامور کر دیا (واضح ہے کہ یہاں "مامور کرنے" کے الفاظ عام معانی میں استعمال کئے گئے ہیں "مامور من اللہ" کے مفہوم میں نہیں۔ "مامور من اللہ" سے مراد صاحب وحی لیا جاتا ہے اور صاحب وحی رسول اللہ کے بعد اور کوئی نہیں ہو سکتا)۔ بہر حال اس مقصد عظیم کے لئے عالمگیر اٹھا اور

برقِ تیغش خرمنِ الحاد سوخت
شمعِ دیں در محفلِ ما بر فروخت

اس کی برقِ تیغ نے الحاد (بے دینی) کے خرمن کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا اور محفلِ ملت میں پھر سے شمع ایمان کو روشن کر دیا۔

کور ذوقاں داستانہا ساختند
وسعتِ ادراکِ او نشناختند

کوتاہ نظر اور کور ذوق لوگوں نے اس کے خلاف افسانے تراش رکھے ہیں حقیقت یہ ہے کہ لوگ عالمگیر کی وسعتِ ادراک کا اندازہ ہی نہیں لگا سکے۔ وہ تو

شعلۂ توحید را پروانہ بود
چوں براہیمؑ اندریں بت خانہ بود

شمع توحید کا پروانہ تھا۔ بس یوں سمجھئے کہ کفرستانِ ہند میں حضرت ابراہیمؑ کی طرح تھا جنھوں نے صنم کدہ کے بتوں کو ایک ایک کر کے توڑ ڈالا تھا۔ مختصراً یہ کہ

در صفِ شاہنشہاں یکتاستے
فقرِ او از تربتش پیداستے

وہ شاہنشاہوں کی صف میں اپنی مثال آپ ہے۔ شاہنشاہ ہوتے ہوئے فقیر۔ نہ صرف زندگی میں فقیر بلکہ مرنے کے بعد بھی فقیر۔ اور یہ چیز اس کی قبر سے ظاہر ہے۔ یعنی نہایت سادہ قبر جس پر کوئی عالیشان مقبرہ نہیں۔

یہ تھے عالمگیر اورنگ زیب جن کا ایک واقعہ درجِ ذیل کیا جاتا ہے۔

روزے آں زیبندۂ تاج و سریر آں سپہدارِ شہنشاہ و فقیر
صبحگاہاں شد بہ سیرِ بیشۂ با پرستارے وفا اندیشۂ

ایک روز، صبح کے وقت، شاہنشاہ عالمگیر اپنے ایک باوفا ملازم کے ساتھ کسی جنگل میں سیر کے لئے گیا۔

سرخوش از کیفیتِ بادِ سحر طائراں تسبیح خواں بر ہر شجر

شاہ رمز آگاہ شد محوِ نماز خیمہ برزد در حقیقت از مجاز

صبح کا سہانا وقت۔ مرغانِ سحر کا نغمۂ کیف آور۔ فضا کی پاکیزگی۔ عالمگیر پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ انتہائی جذب و انہماک سے محوِ نماز ہو گیا۔

شیر ببر آمد پدید از طرفِ دشت
از خروشِ او فلک لرزندہ گشت

کہ اتنے میں اُدھر سے ایک ببر شیر نکل آیا۔ نہایت خوفناک اور خونخوار۔

بوئے انساں دادش از انساں خبر
پنجہ عالمگیر را زد برکمر

اُسے اس طرف سے جو انسان کی بُو آئی تو وہ لپک کر آگیا اور عالمگیر کو اس کی کمر سے پکڑ لیا۔

دستِ شہ نادیدہ خنجر برکشید شرزہ شیرے را شکم از ہم درید
دل بخود راہے نداد اندیشہ را شیر قالیں کرد شیر بیشہ را

عالمگیر اس سے نہ گھبرایا نہ ڈرا۔ بغیر اس کی طرف دیکھے خنجر نکالا اور ایک ہی وار میں اس خوفناک شیر کا پیٹ چاک کر کے اسے خاک کا ڈھیر بنا کر رکھ دیا۔

باز سوئے حق رمید آں ناصبور
بود معراجش نمازِ باحضور

اور اس کے بعد پھر بدستور نماز میں مصروف ہو گیا۔ یعنی اس نماز میں جس میں اس کی حضوریِ قلب کا یہ عالم تھا کہ شیر جیسے خونناک درندے کا حملہ بھی اس کی یکسوئی پر اثر انداز نہ ہو سکا۔

ایں چنیں دل خود نما و خود شکن
دارد اندر سینۂ مومن وطن

مومن کے سینے میں اس قسم کا دل ہوا کرتا ہے۔ خدا کے سامنے جھکا ہوا اور اس کے سوا ہر قوت کے سامنے سربلند۔

اس مقام پر اتنا واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شبہ نہیں کہ کائنات کی طبعی قوتوں سے خوف نہ کھانا بھی مومن کا شعار ہے۔ لیکن صرف اتنی بات سے کہ کوئی شخص (مثلاً) جنگل میں شیر سے قطعاً نہیں ڈرتا اور ذرا نہیں گھبراتا، کوئی شخص مردِ مومن نہیں بن جاتا۔ اس قسم کی ہمت اور جمعیت خاطر کا مظاہرہ دوسروں سے بھی ہو سکتا ہے (کئی ڈاکوؤں کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں) قلبِ مومن کی حقیقی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دنیا میں کسی قوت سے نہیں ڈرتا۔ خواہ وہ طبعی دنیا کی قوت ہو اور خواہ دوسرے انسانوں کی قوت۔ اور اس قدر مضبوط دل رکھنے کے باوجود جب آئینِ خداوندی کی اطاعت کا وقت آئے تو ان کے سامنے بطیب خاطر جھک جاتا ہے۔

بندۂ حق پیشِ مولا لاستے
پیشِ باطل از نعم برجاستے

بندۂ مومن وہ ہے کہ باطل کی ہر قوت کے سامنے اپنے آپ کو (ASSERT) کرے۔ اپنے مقام پر محکم کھڑا ہو کر اپنی ہستی کا اثبات کرے۔ اس کا (AFFIRMATION) کرے۔ لیکن جب قوانینِ خداوندی سامنے آئیں تو وہاں ایسا ہو گیا اس کی اپنی ہستی کوئی شے نہیں۔ وہاں اس سے (NEGATION) کا ثبوت دے۔ صلوٰۃ میں قیام اور سجدہ انہی دونوں کیفیتوں کے مظہر ہیں۔ قیام سے (ہر باطل کی قوت کے مقابلہ میں) اپنی ہستی کا اثبات۔ اور سجدہ سے قوانینِ خداوندی کے سامنے پورا پورا جھکاؤ۔ یہ ہے ایک مومن کی زندگی۔

تو ہم اے ناداں دلے آور بدست
شاہدے را محملے آور بدست

ہندالے مسلمان! تو بھی اس قسم کا دل پیدا کر۔ اس لئے کہ ایمان ایسے ہی دل کے اندر بسیرا کرتا ہے۔ یہی وہ محمل ہے جس میں لیلیٰ سفر کرتی ہے۔

خویش را در باز و خود را باز گیر
دام گستر از نیاز و ناز گیر

تو اپنے مضمر جوہروں کی نمود کر۔ اپنی خوابیدہ صلاحیتوں میں بیداری پیدا ہونے دے اور یوں اپنی حقیقت کو پالے۔ اس طرح تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ زندگی عاجزی و فروتنی کا نام نہیں۔ استحکام خویش اور استنیلار کا نام ہے۔

عشق را آتش زنِ اندیشہ کن
روبۂ حق باش و شیری پیشہ کن

اس کا طریقہ یہ ہے کہ عشق کی آگ سے خوفِ غیر اللہ کو پھونک دے۔ اور اس طرح شیروں کی سی زندگی بسر کر۔ شیروں کی سی زندگی باطل کے سامنے۔ لیکن اللہ کے حضور یکسر جھکے ہوئے۔

خوفِ حق عنوانِ ایماں ست و بس
خوفِ غیر از شرکِ پنہاں است و بس

مختصراً یوں سمجھو کہ ایمان کی نشانی یہ ہے کہ انسان صرف اللہ کا خوف رکھے (یعنی اس کے قوانین کی خلاف ورزی کے تباہ کن تائج و عواقب کا خوف) اور اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لے کہ اگر دل میں غیر اللہ کا خوف پیدا ہو گیا تو یہ شرک ہے۔ ایمان نہیں۔

اس تحریر پر ملتِ اسلامیہ کے ارکانِ اساسی میں سے پہلے رکن (توحید) سے متعلق باب کا خاتمہ ہوتا ہے۔

اب غیر ملکی عام اشیائے اسٹیشنری کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے

کیونکہ ہم نے مال کے بنانے میں اسی خوشنمائی پائیداری اور معیار کو ملحوظ رکھا ہے جو انگلینڈ جرمنی اور امریکہ وغیرہ اپنے پیش نظر رکھتے ہیں۔ قومی ترقی کا انحصار ملک کی مصنوعات کو استعمال کرنے پر ہے

جنرل مینیجر:- جنرل اسٹیشنرز لمیٹڈ (مینوفیکچرز)

سب کی پسند
مسواک
MISWAK
MAKES
TEETH
WHITE